گرداب
از قلم مہک عارف

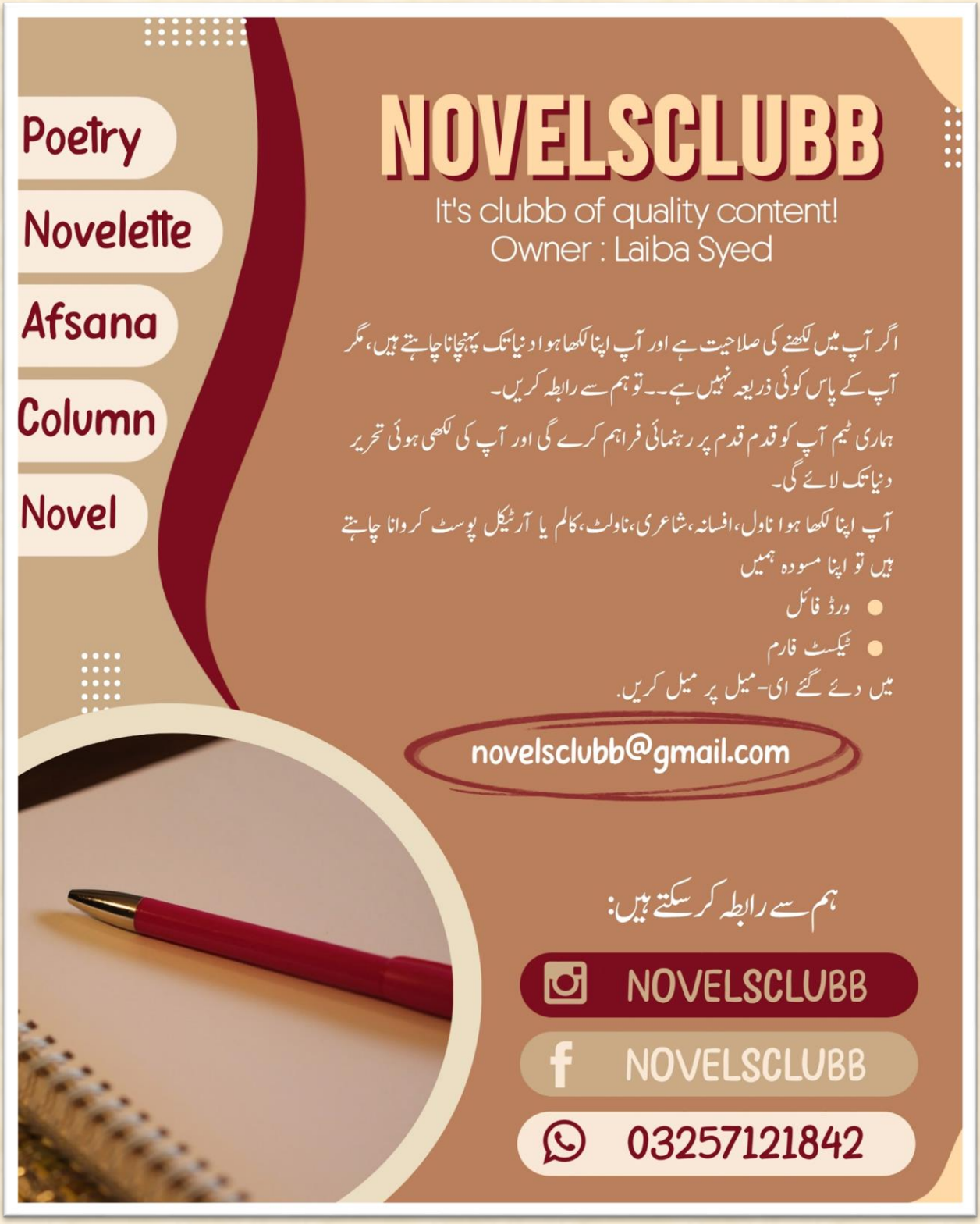
Poetry
Novelette
Afsana
Column
Novel
NOVELSCLUBB
It's clubb of quality content!
Owner : Laiba Syed
اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں، مگر آپ کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔۔تو ہم سے رابطہ کریں۔
ہماری ٹیم آپ کو قدم قدم پر رہنمائی فراہم کرے گی اور آپ کی لکھی ہوئی تحریر دنیا تک لائے گی۔
آپ اپنا لکھا ہوا ناول، افسانہ، شاعری، ناولٹ، کالم یا آرٹیکل پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو اپنا مسودہ ہمیں
ورڈ فائل
ٹیکسٹ فارم
میں دئے گئے ای-میل پر میل کریں.
novelsclubb@gmail.com
ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں:
NOVELSCLUBB
NOVELSCLUBB
03257121842

گرداب

از قلم

مهک عارف

Clubb of Quality Content

گرداب

از قلم مہک عارف

(جب مجبوریاں بوجھ بن جائیں تو انسان گرداب بن جاتا ہے)

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

انتساب

گرداب کا ہر لفظ ''میرے اللہ'' کے نام۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

پیش لفظ

کچھ کہانیاں شروع ہی گرداب سے ہوتی ہیں۔

جس میں سے انسان جتنا نکلنے کی کوشش کرے، اتنا ہی ڈوبتا چلا جاتا ہے۔

گرداب میری تیسری تحریر ہے۔ میری امنگوں اور خوابوں کی تعمیر کی تیسری کوشش۔ گرداب کی کہانی میرے دل کے نہایت قریب ہے۔ جس نے مجھے ایسے سفر کا مسافر بنایا جو میرے لیے ایک طرح کی ''ہیلنگ'' ہے۔

آج، جب میں اس موڑ پر کھڑے ہو کر پچھلے دو سالوں پر نگاہ ڈالتی ہوں تو آنکھیں خوشی اور شکر کے احساس سے بھیگ جاتی ہیں۔ مجھے بالکل اندازہ نہیں تھا کہ آٹھ دسمبر ۲۰۲۳ کو شروع کیا گیا یہ سفر مجھے یہاں لے آئے گا۔ جیسے مالی اپنے باغ میں پودے لگاتا ہے اور انہیں بڑھتے، پھلتے اور نشوونما پاتے دیکھنے کی خواہش رکھتا ہے، میں بھی اپنے لکھے ہر لفظ کو کامیابیوں کی سیڑھیاں چڑھتے دیکھنا چاہتی ہوں۔ انیتس مئی ۲۰۲۵ کو تاثیرِ عشقم کی آخری قسط شائع کرتے وقت میں نے سوچا کہ میں کچھ عرصہ بریک لوں اور اپنی ذات پر فوکس کروں مگر تین جون ۲۰۲۵ کی صبح، نیند سے بیدار ہوتے ہی ذہن میں ابھرنے والا اچھوتا

خیال میرے تمام ارادوں کی نفی کر گیا۔اس کہانی کا پلاٹ، سیٹنگ، کردار اور یونرا میں نے خود تشکیل دیے ہیں۔ گرداب کا نام چننے میں میرے قارئین نے میری بے پناہ مدد کی اور میں خاص طور ہر اپنی ایک بہترین قاری کی شکر گزار ہوں جنہوں نے مجھے ''گرداب'' نام تجویز کیا۔اس نام کے بغیر میری کہانی کبھی مکمل نہیں ہوتی۔ پچھلے چند ماہ سے جاری یہ سفر میری سخت روٹین کے بیچ آہستگی سے آگے بڑھ رہا ہے۔میں وہ لکھاری نہیں ہوں جو ایک گول سیٹ کر کے چند دنوں میں لاکھوں الفاظ کی اقساط لکھ دیتے ہیں۔پڑھائی، گھریلو کام اور سوشل میڈیا پر اپنے ناولز کی پروموشن کرتے ہوئے مجھے جو بھی فارغ وقت ملتا ہے، میں اسے گرداب کے لیے وقف کرتی ہوں۔اس لیے میں امید کرتی ہوں کہ اس سفر میں آپ گرداب سے جڑے رہیں گے۔

گرداب سے میرا رشتہ صرف مصنفہ اور کہانی کا نہیں بلکہ احساسات اور محبت کا ہے۔یہ میری زندگی کا اہم حصہ بن گیا ہے اور یہی تعلق، یہی قربت مجھے امید دلاتی ہے کہ ہر قاری اس میں اپنے آپ کو اور اپنی ذات کو پہچانے گا۔میری یہ تحریر زندگی کے بہت سے پہلوؤں کی عکاسی کرتی ہے...ان کی اصلاح کرتی ہے، اور انہیں ایسے الفاظ میں ڈھالتی ہے جو قارئین کے لیے موزوں اور مفید ثابت ہوں۔

Clubb of Quality Content

ہم سب کبھی نہ کبھی ایسے گرداب میں پھنسے ہوتے ہیں، جہاں سے نکلنے کا کوئی راستہ نظر نہیں آتا۔ مگر کیا واقعی زندگی ایک گرداب ہے؟ کیا اس میں سے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں؟ ان تمام سوالات کے جواب آپ کو گرداب پڑھ کر ملیں گے۔

میں اپنی پیاری دوست فضہ حمید کی تہہ دل سے شکر گزار ہوں جنہوں نے بطور ایلفا گرداب کو لکھنے میں میری ہر ممکن مدد کی۔ ہر موڑ پر میری کہانی کو بہتر بنانے میں ان کا کردار اہم رہا اور انہوں نے میری تحریر کو ہمیشہ سراہا، نکھارا اور میری خامیوں کی نشاندہی کی۔ محترمہ فضہ حمید، مہک عارف آپ کی دل سے مشکور ہیں۔ آخر میں، میرے تمام قارئین کا شکریہ۔ جنہوں نے ہر قدم پر میری حوصلہ افزائی کی اور مجھے اس سفر میں آگے بڑھنے کی امید دلائی۔

جزاکم اللہ خیراً کثیرا!

۱۴۔ جنوری۔ ۲۰۲۶

مہک عارف

اسلام آباد۔

Clubb of Quality Content

انتباہ

- گرداب ایک فرضی کہانی ہے۔اسے محض فکشن کے طور پر ہی پڑھا جائے۔
- اس ناول میں شامل کیے گئے تمام مناظر، کردار اور واقعات کسی بھی حقیقی شخص، مقام یا واقعے سے مطابقت نہیں رکھتے۔
- گرداب کا پہلا باب کہانی کی Door Opening ہے لہٰذا قارئین سے بالخصوص گزارش ہے کہ ناول کے آخر تک بتدریج کھلنے والے رموز کو حوصلے اور صبر کے ساتھ پڑھیں کہ ہر کہانی کا آغاز اس کے انجام کے ساتھ جڑا ہوتا ہے۔
- براہِ کرم گرداب کو اپنی ذہنی آمادگی کے ساتھ پڑھیں۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

باب اوّل

"گلِ ریگاں"

جب تمام راہیں مسدود ہو جائیں

توانسان کہاں جاتا ہے؟

جب پناہیں چھن جائیں

تو دل بے گھر ہو جاتا ہے۔

جب خاموشیاں راز بن جائیں

توالفاظ بے معنی ہو جاتے ہیں۔

جب راتیں سوال، دن وبال بن جائیں

تو یادیں تنہائیوں کی امیں بن جاتی ہیں۔

اور جب مجبوریاں بوجھ بن جائیں

توانسان گرداب بن جاتا ہے۔

☆...☆...☆

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

آسمان پر سرمئی اور سنہری رنگ ایک دوسرے میں گھلنے لگے تھے۔شام کے سائے لمبے ہوتے جارہے تھے۔تاریکی،دن کے اجالے کو نگلنے کے لیے تیار کھڑی تھی۔دن بھر کی ہلچل کے بعد پرندے اپنے گھروں کو لوٹ رہے تھے۔ایسے میں ایک پرندہ اس سفید گھر کی منڈیر پر بیٹھا ہوا تھا۔پورا دن دانے کی تلاش میں ادھر ادھر بھٹکنے کے بعد بھی اسے کچھ نہ ملا تھا۔چند لمحے مزید گزرے تو اسے اس گھر کے ارد گرد پھیلی فضا میں کچھ غیر معمولی سا محسوس ہوا۔اس نے گردن ادھر ادھر گھما کر دیکھا اور ایک جھٹکے سے وہاں سے اڑ گیا۔گویا وہ متوقع خطرے کی بُو سونگھ چکا تھا۔

نیچے پورا گھر خاموشی میں ڈوبا ہوا تھا۔سفید رنگ سے مزین اس کمرے میں وحشت کا دل دوز عالم طاری تھا۔گھٹن زدہ فضا میں مرکزی دیوار کے ساتھ ترتیب سے رکھا بیڈ،دائیں کونے میں رکھا قد آور آئینہ اور کھڑکی کے قریب رکھے گہرے بھورے رنگ کے صوفے اور میز کمرے کے مکین کی نفیس طبیعت کے گواہ تھے۔

وہیں مرکزی دیوار کی سیدھ میں بھورے رنگ کا بھاری دروازہ تھا۔جس کے ہینڈل پر اس نے اپنے کانپتے ہاتھ سختی سے جما رکھے تھے۔پشت کی مدد سے دروازہ بند رکھنے کی جدوجہد

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

میں اس کا سارا وجود پسینے سے شرابور ہو تھا۔ بالوں کی بکھری لٹیں رخساروں سے چپکی ہوئی تھیں اور دھڑکتے دل کے ساتھ اس کی سانسیں دھونکنی کی مانند چل رہی تھیں۔

اس نے شانوں سے پھسلتا دوپٹہ سنبھالنا چاہا تھا کہ اچانک دھڑ کی زوردار آواز کے ساتھ دروازہ کھل گیا۔ وہ جھٹکے سے پیچھے کی طرف لہرائی۔ ہرنی سی سہمی ہوئی آنکھوں میں مزید خوف اتر آیا۔ نووارد اندر داخل ہو چکا تھا۔ وہ پیچھے کی جانب قدم اٹھانے لگی۔ ایک قدم...

دوسرا قدم... تیسرا قدم اور پھر اس شخص کی آنکھوں میں اتری دیوانگی اور بردباری دیکھ کر وہ چیخ ہی تو اٹھی تھی۔

"نہیں... دور رہو مجھ سے... میرے قریب مت آؤ۔" اس نے ایک ہاتھ سے دوپٹہ اپنے وجود پر پھیلایا اور دوسرا ہاتھ اٹھائے اسے روکنا چاہا مگر وہ ہونٹوں پر مکروہ مسکراہٹ سجائے قدم بہ قدم آگے بڑھتا رہا۔ وہ چیخنا چاہتی تھی، چلانا چاہتی تھی۔ اس کے اندر کوئی تنبیہہ کر رہا تھا کہ "بھاگ جاؤ! کچھ کرو!" مگر جسم ساکت تھا اور لب مقفل۔

دماغ کی پراگندہ سوچیں کسی اور کے نام میں الجھی ہوئی تھیں۔ آواز گلے میں پھنس گئی۔

آنکھوں سے نکلنے والا نمکین پانی رخساروں پر تپتی دھار کی صورت بہنے لگا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

وہ شخص مزید قریب ہوا۔کمرے کی دیوار میں نصب واحد کھڑکی سے آتی ہوا کی ایک سرد لہر اس کے جسم سے ٹکرائی۔اس کے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔وہ ایک اور قدم پیچھے ہٹی تو دیوار سے جا لگی۔دیوار یخ بستہ تھی۔اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ دوڑ گئی۔

"نہیں۔"اس کی انگلیاں دیوار کی سطح کو گرفت میں لینے کی کوشش کر رہی تھیں۔کاش دیوار پھٹے اور وہ اس میں سما جائے۔

نووارد اس سے بالشت بھر کے فاصلے پر رک گیا۔آنکھوں میں استہزاء تھا اور لبوں پر شیطانی مسکان۔وہ انسان نہیں تھا۔وہ انسانیت کا لبادہ اوڑھے شیطان تھا۔

اس کی سانسوں کی آواز مدھم پڑنے لگی۔اس کی پلکیں ہولے ہولے کانپ رہی تھیں۔وہاں کوئی جائے فرار نہیں تھی۔وہ بھاگ نہیں سکتی تھی۔وہ شکاری کے جال میں پھنس چکی تھی۔پھر نووارد کا ہاتھ اٹھا اور مضبوط گرفت کے ساتھ اس کی کلائی کو سختی سے جکڑ گیا۔اس کا دل ڈوب گیا۔

دوسرے ہاتھ سے اس کے گدی سے بال پکڑے گئے۔اس کی روح بلبلا اٹھی۔آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔وہ اس کے کان کے قریب جھکا اور ایک سرد سی سرگوشی کی۔الفاظ

واضح نہیں تھے مگر تیر کی طرح دل میں پیوست ہو گئے۔اس نے اپنی کلائی چھڑوانے کی کوشش کی۔پوری طاقت لگائی۔مگر مردانہ ہاتھ کی گرفت فولاد جیسی تھی۔

اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔چہرہ بھیگ چکا تھا۔پلکوں سے قطرے ٹوٹ ٹوٹ کر زمین پر گر رہے تھے۔اور پھر دھندلاتی نگاہوں کے سامنے کمرے میں جلتی بتیاں یکے بعد دیگرے مدھم ہوتی گئیں۔

نووارد نے اسے گردن سے پکڑ کر گھما کر زمین پر دے مارا۔ٹھوڑی سفید رنگ کے ماربل پر لگی تو دانتوں کے درمیان سے خون رِس آیا۔فرش پر سرخ رنگ کے دھبے نشان بنانے لگے۔

"خون کا رنگ سرخ کیوں ہوتا ہے؟" ایک بھولی بسری یاد ذہن کے دریچے پر ابھری۔اگلے ہی لمحے تکلیف کی ایک شدید لہر اس کے رگ وپے میں سرایت کر گئی تھی۔

"پلیز..." اس کے ہونٹ کپکپا رہے تھے۔جبڑے اپنی جگہ جم چکے تھے۔کمرے میں پھیلی حبس زدہ فضا جہنم کی آگ کو مات دینے کی کوشش کر رہی تھی۔بیڈ،صوفہ،میز حتیٰ کہ آئینے نے بھی وہ سب دیکھا تھا۔

تبھی ایک لمحہ آیا...ایک پل جو شاید صدیوں پر محیط تھا۔

سنائی دیں تو محض،

بے انتہا چیخیں...

خاموش سسکیاں...

دکھائی دیے تو صرف،

بھل بھل ٹوٹتے آنسو...

جسم سے چمٹی آکاس بیل...

عزت کا، وجود کا، روح کا... سب کا تقدس ایک لمحے میں پامال ہوا تھا۔

اس کی آنکھیں چھت پر جمی رہیں۔ سر کے بال خون سے تربتر تھے۔ نرم روئی جیسے رخساروں پر ناخنوں اور خراشوں کے نشان اس کا قابلِ تحسین چہرہ قابلِ ترحم بنا گئے تھے۔

وہ منظر کونے میں کھڑے قدآور آئینے نے بھی اپنے اندر سمو لیا تھا۔ وہ فرش پر گری پڑی ہوئی تھی۔ چہرہ آنسوؤں اور پسینے سے تر تھا۔ ہونٹ پھٹے ہوئے تھے۔

چند ثانیے قبل پیچھے ہٹا ہوا سایہ دوبارہ اس کے اوپر جھکا تھا۔ سانسوں کی تپش، بدن کی بُو اور روح کو چیرتا خوف... اس کی پلکیں کانپیں... ہونٹ سرسرائے... وہ کچھ کہنا چاہتی تھی۔ وہ زندہ تھی، وہ بقیہ زندگی کی بھیک مانگ سکتی تھی۔ وہ بچ جانا چاہتی تھی۔ وہ زندہ رہنا چاہتی تھی۔ مگر کیا زندگی کبھی خیرات میں ملی ہے؟

"چھ۔ چھوڑ۔و۔"لفظ بمشکل سنائی دیا۔نووارد چند لمحے ٹھہر کر اسے دیکھتا رہا۔پھر اس کے ہاتھ کا دباؤ ڈھیلا پڑا۔اس نے اس جان بخشی پر پوری قوت سے خود کو دھکیلا۔وہ سسک کر پہلو بدلنا چاہتی تھی۔وہ بھاگ جانا چاہتی تھی۔گلا گھونٹتی ہچکیوں کے درمیان اس نے ٹوٹتی ہوئی آواز میں دوبارہ کچھ کہنا چاہا۔

تب اچانک وہ سایہ پنجوں کے بل بیٹھ کر پھر اس کے قریب آگیا۔وحشی نگاہوں سے اسے گھورتے ہوئے اس کا ہاتھ اس کے چہرے کی طرف بڑھا۔وہ جو ایک لمحے کے لیے لگا تھا کہ وہ رک گیا ہے۔وہ اسے چھوڑ چکا ہے۔وہ جو ایک موہوم سی امید دل میں جاگی تھی۔مگر کہاں؟ امید ایک بار پھر ٹوٹ گئی تھی۔بنتِ حوا آج پھر ابنِ آدم کے ہاتھوں محبت مگر حقیقتاً درندگی کا شکار ہوئی تھی۔اس نے نفی میں سر ہلانا چاہا مگر مقابل کے دل میں احساس نامی جذبہ ناپید تھا۔دوسرے ہی لمحے اس سفاک شخص کے ہاتھ اس کی گردن جکڑ گئے۔مضبوط فولادی گرفت تلے وہ مچل کر رہ گئی۔

دوبارہ سے اسے اپنی روح فنا ہوتی محسوس ہوئی۔وہ ہڑبڑا کر سانس لینے لگی مگر سانسیں گھٹنے لگی تھیں۔بڑی پس و پیش سے اس نے کپکپاتے ہاتھ اٹھائے مگر وہ اس کے ہاتھوں تک پہنچنے

سے قبل منہدم ہو گئے۔ پلکیں اٹھیں۔ آنکھیں ابل کر باہر آ گئیں۔ سانس کا ٹانکا ادھڑتا چلا گیا۔

گردن سے ہاتھ چھڑانے کی ناکام کوشش، نوکیلے اور تراشے ہوئے ناخنوں کا مقابل کی جلد میں دھنس جانا، ختم ہوتی قوت سے خود کو پیچھے دھکیلنا، بے جان ٹانگوں کی بے ربط حرکت...

اور پھر ہاتھوں کی طاقت جواب دے گئی... ٹانگیں جامد ہو گئیں... سماعت و بصارت ساتھ چھوڑ گئیں۔

"آ۔ آہ۔" کمرے کی خاموشی میں بس اس کی مدھم آواز اور خراش زدہ سانسوں کی کھڑکھڑاہٹ گونجی۔ جسم پتھر ہو گیا۔ سرخ لہو سے رنگے نین کٹورے کھلے کے کھلے رہ گئے۔ اگر تم غور سے اس کی آنکھوں میں دیکھو تو تمہیں وہاں بے یقینی کے سوا کچھ دکھائی نہ دے گا۔

آخری مرتبہ اس کی آنکھ سے ایک آنسو گرا۔ نمکین، گرم اور بے زبان۔ جو فرش پر گر کر پھیلتا چلا گیا۔

نووارد شخص نے جھک کر کچھ سنا پھر اس کا چہرہ دیکھ کر جیسے تسلی کی ہو کہ واقعتاً سانسوں کا رشتہ ٹوٹ چکا تھا۔ آخر کار گہری سانس بھرتے ہوئے اس نے اس لڑکی کی گردن چھوڑ دی۔ وہ فرش پر پڑی رہ گئی۔ آنکھوں میں منجمد خوف، ادھڑا ہوا جسم اور کرچی کرچی ہوئی روح کے ساتھ۔

وہ شیطان تھا جو انسانیت سے بھروسہ اٹھا لے گیا تھا۔

کتنی دیر گزری... کتنے ہی لمحے گھڑی کی سوئیوں کے ساتھ بھاگے، تب جا کر منظر بدلا۔

اب کہ وہ اس کے قریب دیوار سے لگ کر بیٹھا تھا۔ گھٹنوں کے گرد حصار باندھے اس کی ساکت نگاہیں اس لڑکی پر جمی ہوئی تھیں۔ سانسیں تیز تھیں اور پیشانی عرق آلود۔

کمرے میں سوگوار پن اتر آیا تھا۔ پس منظر میں کسی کے بلک بلک کر رونے کی آواز سماعتوں پر ہتھوڑے بجا رہی تھی۔ ماتم کناں ماحول میں وہ شخص خوف سے کانپتا ہوا سر گھٹنوں میں دے گیا۔ پھر اس کی سسکیاں فضا میں گونجنے لگیں۔ اس پل وہ جواں مرد ٹوٹ کر بکھر گیا تھا۔

(""تم میرے محافظ ہو نا؟ پھر تم سے کیسا خوف، کیسا ڈر؟"")

یقین تھا، جو اپنے محافظوں پر سے اٹھ گیا تھا۔

(""خون کا رنگ سرخ کیوں ہوتا ہے؟"")

خون تھا، جواب اس کے جسم پر اور ارد گرد جم چکا تھا۔

(''تمہاری خاموشی مجھے چین نہیں لینے دیتی دلبرم۔'')

خاموشی تھی، جو دائمی جدائی دے گئی تھی۔

(''موت سے ڈر نہیں لگتا لیکن آپ کے نہ ہونے کا خوف مجھے مار ڈالے گا۔'')

موت تھی، جو اس حسین لڑکی کو اپنی آغوش میں بھر چکی تھی۔

☆...☆...☆

نوابوں کا شہر، بہاولپور۔

یزمان۔

صبح کی پہلی کرنیں ریت میں لپٹے ان گھروں پر آہستہ آہستہ اپنی چادر بچھا رہی تھیں۔ وہ علاقہ تحصیل یزمان میں واقع تھا۔ کیکر، نیم اور بیری کے درختوں کے سائے میں گھرا وہ محلہ ''گلِ ریگاں'' کہلاتا تھا۔ گلِ ریگاں یعنی ریت میں اگا ہوا پھول۔

بے شمار گلیاں، لاتعداد گھر اور شور اتنا کہ اعصاب سن ہو جائیں۔ ایسے میں اگر تم ایک کشادہ گلی کا رخ کرو تو اس کے اختتام پر واقع بھورے رنگ کے گیٹ والا گھر خاموش کھڑا تھا۔ ایک ایسا گھر جو اپنی تنگ دیواروں میں بھی وسعتوں جیسا سکون رکھتا تھا۔ رنگ و روغن سفید تھا مگر

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

وقت گزرنے کے باعث خراشوں، نمی اور زردی سے اٹا ہوا تھا۔ وہ دو منزلہ گھر تھا۔ پہلی منزل پر تین کمرے اور ایک باورچی خانے کی ساتھ سائے دار برآمدہ منسلک تھا۔ مستطیل برآمدے کے آہنی جالی دار دروازے کے سامنے صحن تھا۔ صحن کے بائیں طرف سے سیڑھیاں اوپر چھت کی طرف جاتی تھیں۔ جہاں ایک کمرہ اور چھوٹا سا ڈربہ نما کچن تھا۔ گھر باہر سے دیکھنے میں جتنا بوسیدہ لگتا تھا اندر سے اس سے کئی گنا بہتر تھا۔

اس وقت برآمدے میں موجود درمیانے کمرے کی کھڑکی کے پٹ کھلے تھے۔ اندر آئینے کے سامنے کھڑی وہ اپنی تیاری میں مگن تھی۔ مناسب قد و قامت، بیضوی چہرہ، یاقوتی لب، ستواں ناک۔ اور آنکھیں؟ وہ یک دم میز پر جھکی۔ پلکیں بھی ساتھ ہی جھک گئیں۔ وہ کاجل اٹھا کر واپس سیدھی ہوئی تو پلکیں اٹھیں۔ کمان نما ابرو کھڑے ہو گئے۔ شہد آمیز بھورا پن لیے بادامی آنکھیں بڑی ہوتی گئیں۔

اس نے دھیرے سے دائیں آنکھ میں کاجل کی لکیر کھینچی۔ پھر بائیں آنکھ میں وہی عمل دوہرایا۔ فطرتاً دو تین دفعہ پلکیں جھپکیں۔ بھورے رنگ کے نین کٹوروں میں سیاہ رنگ اترتا چلا گیا۔

اس کے ہاتھ اب عطر اٹھا رہے تھے۔رنگ فنگر میں ایک سفید نگینے والی چاندی کی انگوٹھی پہن رکھی تھی۔جس کی چمک خیرہ کر دینے والی تھی۔اس نے عطر کا ڈھکن کھولا۔پورے کمرے میں چنبیلی کی خوشبو بکھر گئی۔پھر اس نے نرمی سے عطر کلائی پر لگایا۔نتھنوں کے قریب کیے وہ مسحور کن خوشبو اپنے اندر اتاری۔

"میرو۔" باہر سے آتی آواز پر وہ پلٹی۔گھنے سیاہ لہر دار بالوں نے بھی ساتھ ہی کروٹ بدلی تھی۔

"آرہی ہوں امی۔" اس نے اونچی آواز میں ہانک لگائی۔پھر عطر لگا کر رکھتے ہوئے بیڈ کی پائنتی پر رکھا دوپٹہ اٹھا کر سر پر اوڑھا۔نیلے رنگ کے سفید کڑھائی والے سوٹ کے ساتھ سفید رنگ کا دوپٹہ خوبصورت امتزاج پیدا کر رہا تھا۔

کولہاپوری چپل میں مقید پیر وہاں رکھی لکڑی کی الماری کی جانب بڑھ رہے تھے۔اس نے ایک پٹ کھولا اور اندر سے ہینگر میں لٹکی چادر باہر کھینچی۔

"پتا نہیں کیا کرتی رہتی ہے یہ لڑکی۔" باہر سے ماں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔اس نے پھرتی سے وہیں الماری میں رکھا اپنا بیگ نکالا۔وہ مہرون رنگ کا روایتی کڑھائی اور آئینوں سے مزین بلوچی طرز کا بیگ تھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"ناشتہ ٹھنڈا ہو رہا ہے۔" وہ کمرے کے دروازے پر پہنچی جب دوبارہ شازیہ بیگم کی آواز کانوں میں سنائی دی تھی۔ باہر برآمدے میں وہ ناشتہ لگا رہی تھیں۔ ڈائننگ ٹیبل چار کرسیوں اور بیچ میں گول میز پر مقید تھا جس پر دو پلیٹوں میں پراٹھے، ایک پیالے میں آم کا اچار، اور چائے کے دو کپ رکھے تھے۔

اس نے چادر اور بیگ دوسری کرسی پر رکھ دیا اور ایک کرسی کھینچتی وہیں بیٹھ گئی۔ شازیہ بیگم بیٹھتے ساتھ ہی اس کے آگے ناشتہ رکھنے لگی تھیں۔ خوبصورت نین نقش پر متضاد بھوری آنکھیں انہیں جاذب نظر بنا رہی تھیں۔

"فیضی اسکول چلا گیا؟" اس نے چائے کا کپ اپنی جانب کھسکاتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں صبح سات بجے کا الارم لگا کر سویا تھا۔ آج تو خود ہی اٹھ گیا۔" انہوں نے مسکراتے ہوئے پراٹھے کی پلیٹ اس کے سامنے رکھی۔ میرم نے ستائشی انداز میں ابرو اچکائے۔

"بڑی بات ہے بھئی۔ آپ کا بیٹا تو دن بہ دن ذمہ دار ہوتا جا رہا ہے۔" اس نے چمچ کی مدد سے تھوڑی سی مقدار میں اچار پراٹھے پر رکھا۔ دلفریب خوشبو نے بھوک چمکا دی تھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"بس چھوڑ دو اس کی طرف داری کرنا۔ وہ تو کہہ رہا تھا آج اس کا میتھس کا ٹیسٹ ہے اس لیے جلدی اسکول چلا گیا۔" شازیہ بیگم نے نفی میں سر ہلایا۔ زمہ دار اور ان کی چھوٹی اولاد؟ اونہوں!

"خیر ہے ناں۔ وقت کے ساتھ سنبھل جائے گا۔" اس نے چائے کی چسکی بھری۔ گرم اور کڑک چائے نے صبح کی ساری سستی زائل کر دی۔

"وقت نے کیا بڑا کرنا ہے، حالات نے اس کا بچپن خوار کر کے رکھ دیا ہے۔" نوالہ توڑتا میرم ریحام کا ہاتھ یکلخت تھم گیا۔ دل پر کوئی بھاری سا بوجھ آن پڑا تھا۔ اس کی نظریں بے ساختہ شازیہ بیگم کے عقب میں اٹھیں۔ سامنے والے کمرے کا دروازہ کھلا تھا۔ سیدھ میں موجود اندرونی دیوار نظر آتی تھی جس پر ایک تصویر لٹکی ہوئی تھی۔ اس میں نظر آتا چہرہ وردی میں ملبوس ایک عمر رسیدہ شخص کا تھا۔ اٹھی ہوئی گردن، باوقار کشادہ پیشانی اور آنکھوں میں چھائی زمانے کی سختیاں جھیلنے کی ہمت تھی۔ وہ ایک ریٹائرڈ آرمی آفیسر کی تصویر تھی۔ جنہوں نے قریباً ڈیڑھ سال قبل ہی زندگی سے بھی ریٹائرمنٹ حاصل کر لی تھی۔

"امی۔" وہ بے خیالی میں پکار اٹھی۔ نظریں تصویر میں نظر آتے عکس پر جمی ہوئی تھیں۔ شازیہ بیگم کے بھی ناشتہ کرتے ہاتھ تھم چکے تھے۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"ڈیڑھ سال ہو گیا ابو کو گئے ہوئے لیکن آج بھی یوں لگتا ہے کہ وہ صبح صبح اپنے کمرے سے نکلیں گے اور کہیں گے۔ میری عینک کہاں ہے؟ میرم بیٹے میری عینک ڈھونڈ کر لاؤ۔" اس کی آنکھوں میں محرومیوں کا عکس تھا۔ باپ کے سائے کی محرومی، وہ جو کبھی پوری نہیں ہو سکتی۔ اس نے گہری سانس بھری۔ پھر وہ دوبارہ ناشتے میں مشغول ہو گئی۔

"نہ تمہارے ابا رہے نہ عینک۔ اب تو محرومیاں ہی محرومیاں رہ گئی ہیں۔" انہوں نے چائے کے گھونٹ کے ساتھ بہت کچھ حلق میں انڈیلا تھا۔ شاید بے بسی، دکھ، خواہشات یا خواب۔ وہ اپنے سر کے سائبان کے جانے کے بعد اکیلی رہ گئی تھیں۔ وہ اپنے پروں تلے دونوں بچوں کو چھپائے رکھتی تھیں۔ ماں تھیں نا، اولاد کو ذرا سی تپش لگ جانے سے بھی ڈرتی تھیں۔

"آپ فکر نہیں کریں۔ اک دن آئے گا جب یہ تمام محرومیاں ختم ہو جائیں گی۔" شازیہ بیگم نے آدھا ادھورا ناشتہ چھوڑ کر اٹھتی میرم ریحام کو دیکھا تھا۔

"اس دن کے انتظار میں کہیں ہم ہی نہ ختم ہو جائیں۔" ان کی آواز میرم کو انگاروں پر لپیٹ گئی۔ وہ لب بھینچ گئی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"مایوسی کفر ہے۔" ہزار بار کا کہا جملہ دوہرایا تھا۔ شازیہ بیگم نے سر جھٹکا۔ میرم نے سر پر پھسلتا دوپٹہ ٹھیک کیا۔

"اس میں میرا کیا قصور؟ جب سارے راستے بند نظر آئیں گے تو مایوسی اور ناامیدی ہی گھات لگائے گی نا؟" چادر کندھوں پر پھیلاتے میرم کے لب مسکرائے۔ ایسی مسکراہٹ جس میں تھکن تھی۔ آہ! وہ اپنی معصوم ماں کو سمجھا سمجھا کر تھک چکی تھی۔

"اور جب تمام راہیں مسدود ہو جائیں تو انسان کہاں جاتا ہے؟" وہ اب جھک کر اپنا بیگ اٹھا رہی تھی۔ شازیہ بیگم کے لبوں پر اداس مسکراہٹ اپنی جھلک دکھلا گئی۔

"وہ صبر کی چادر اوڑھ کر اپنے رب کے حضور سجدہ ریز ہو جاتا ہے۔ جہاں لبوں پر سوال رہتا ہے نہ دل میں خلش۔" وہ شازیہ بیگم کے قریب جا کھڑی ہوئی۔

"تب انسان کہتا ہے، 'میرے لیے میرا رب ہی کافی ہے'۔ اور آپ کو پتا ہے نا یہ ایک جملہ انسان کا اپنے اللہ پر توکل مضبوط کر دیتا ہے۔" میرم نے دائیں جانب سے جھک کر انہیں گلے لگایا، سر پر بوسہ دیا اور خدا حافظ کہتی برآمدے سے باہر نکل آئی۔ باہر صبح کی نرم دھوپ تلے بائیں جانب کھڑی سفید رنگ کی مہران جگمگا رہی تھی۔ اس نے آگے بڑھ کر ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھولا۔ تبھی اس کی نگاہ بھٹکی۔ دیوار کے ساتھ بنی کیاری میں گلِ دوپہری لگے ہوئے

تھے۔وہ پھول جو صرف دھوپ کے وقت کھلتے ہیں۔دھوپ جاتی ہے تو مرجھا جاتے ہیں۔وہ انہیں دیکھے گئی۔وہ کتنے خوشنما تھے اور ضدی بھی۔

دھوپ میں کھلتے تھے۔سارا دن گرمی اور تپش برداشت کرتے تھے مگر پھر بھی دل کو بھا جاتے تھے۔وہ ریتلی اور بنجر مٹی میں بھی نشوونما پا لیتے تھے۔پانی کی ضرورت تھی نہ ہوا کی اور پابند ایسے کہ شام کی پہلی دستک پر ہی اپنی پتیاں سمیٹ لیا کرتے تھے۔

لوگ کہتے ہیں پھول علامت ہوتے ہیں... سرخ ہو تو محبت کی نشانی، زرد ہو تو حسد یا بے رُخی کی علامت، اور سفید پھول امن کا پرچم۔

لیکن لوگ غلط تھے یا شاید اسے لگتے تھے۔اس کے لیے پھول علامت نہیں تھے، پھول تو کتاب تھے۔صبر، استقامت اور ہمت کا سبق اس نے پھولوں سے سیکھا تھا۔

اور گل دوپہری... وہ تو اس کے اپنے ہمزاد تھے۔ضدی، وقت کے پابند، خاموشی سے کھلتے اور چپ چاپ سمٹ جاتے۔نہ شکوہ نہ کوئی گلہ۔وہ بھی تو ایسی ہی تھی۔

"میرو! دیر ہو رہی ہے۔" شازیہ بیگم کی آواز پر وہ چونکی۔نگاہیں جھکائیں اور آخری بار دوپہری کو دیکھا۔وہی نرم پنکھڑیاں جو دھوپ کے ایک لمس پر جاگ جاتی تھیں، ابھی کڑک دھوپ کے انتظار میں اپنے خول میں بند تھیں۔وہ ہولے سے مسکرا کر سر جھٹکتی ہوئی گاڑی

میں بیٹھ گئی۔بیگ کو دوسری سیٹ پر رکھا، گہری سانس لی،اگنیشن میں چابی گھمائی،اسٹیرنگ تھاما۔

ایک نظر دروازے پر کھڑی شازیہ بیگم کو دیکھا۔ان کے چہرے پر ہمیشہ کی طرح فکر تھی۔وہ زیرلب کچھ پڑھ رہی تھیں۔وہ دور سے بھی جانتی تھی کہ وہ کیا پڑھ رہی ہیں۔وہ دل ہی دل میں ان کے ساتھ آیتہ الکرسی دوہراتی گاڑی آگے بڑھالے گئی۔پیچھے صحن میں بائیں دیوار کے ساتھ کیاری میں لگے وہ ضدی پھول،اب بھی دھوپ کی ایک کرن کے انتظار میں ادھ کھلے تھے۔

☆...☆...☆

گلِ ریگاں سے کچھ فاصلے پر گنجان علاقے میں ایک سرکاری سکول واقع تھا۔وہ اسی سکول میں پڑھاتی تھی۔اسکول کی عمارت سرخ رنگ کی تھی، جس کا رنگ وقت کے پیش نظر بہت مدھم ہو چکا تھا۔اس کے اندر داخل ہو تو بڑے سے میدان کے اختتام پر اسکول کی بلڈنگ نظر آتی تھی۔وہ اس وقت چوتھی جماعت میں کھڑی بچیوں کو پڑھا رہی تھی۔وائٹ بورڈ پر مارکر کے ساتھ بڑے بڑے حروف میں ریاضی لکھا نظر آتا تھا۔اس نے ایک سوال حل کر

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

کے تمام بچیوں پر نظر دوڑائی۔نیلے رنگ کی وردیوں میں ملبوس وہ سب اپنی کاپیوں پر جھکے جماعت کا کام کرنے میں مصروف تھے۔

"ہو گیا میم۔" ایک بچے کی آواز آئی،اور فوراً دو تین اور آوازیں اس کے پیچھے لگ گئیں۔وہ مسکرادی۔انہیں گھر کا کام دیتے ہوئے وہ پورے انہماک سے اپنی ذمہ داری نبھا رہی تھی۔چند منٹوں کے بعد سکول کی گھنٹی بجی۔ تفریح کا وقت ہوا جاتا تھا۔ایک دم پورا اسکول جھوم اٹھا۔ معصوم ہنسی، قہقہے، چیخیں،دوڑتے قدم،اور بچوں کی آوازوں سے فضا بھر گئی۔میرم نے رجسٹر سنبھالا،بیگ کاندھے پر ڈالا اور اسٹاف روم کی جانب قدم بڑھا دیے۔ وہ دروازہ دھکیل کر اندر داخل ہوئی تو کمرے میں پہلے سے موجود دو تین استانیوں نے سرسری سی نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔ایک کونے میں کھڑی مس زاہدہ اپنی چائے میں چمچ ہلا رہی تھیں۔ مس رفعت اور مس رابعہ ٹیبل کے گرد بیٹھیں سرگوشیوں میں باتیں کر رہی تھیں۔وہ ایک کونے والی کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔رجسٹر سامنے میز پر رکھ کر کھولا اور پین نکال کر کچھ لکھنے لگی۔چہرے پر ہمہ وقت چھائی ہوئی نرمی تھی۔

"لو آگئی مس اسٹار۔" مس رفعت نے اسے دیکھ کر نخوت سے سر جھٹکا۔ان کی آواز دھیمی تھی مگر میرم تک پہنچ گئی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

''اس اسٹار کو میں نے فلک سے زمین پر نہ لا پٹکا تو میرا نام بھی رابعہ نہیں۔'' دوسری ٹیچر کی آواز میں حسد اور نفرت گھلی ہوئی تھی۔ میرم سن کر بھی ان سنا کر گئی۔ اس کی خاموشی، خود کو الگ رکھنے کی ادا... واللہ بعض دفعہ مقابل کو آگ ہی تو لگا جاتی تھی۔

چند سیکنڈ مس زاہدہ میرم ریحام کی اس خاموشی سے جل کر بھسم ہوتی رہیں پھر باقی دونوں ٹیچرز کو آنکھ سے اشارہ کرتے اپنا پینترا بدلا۔

''میرم... کیا عمر ہو گئی ہے تمہاری؟'' ان کی آواز پر میرم کا ہاتھ رک گیا۔ قلم کی نوک ورق میں گڑھ کر رہ گئی۔ وہ اپنا پتہ پھینک چکی تھیں۔

''پچیس سال کی ہوئی ہے دو ماہ پہلے۔'' جواب میرم کی بجائے مس رابعہ کی جانب سے آیا تھا۔

''واقعی؟ تو کب تک دوسروں کے بچوں کو پڑھاتی رہو گی؟ اب تو عمر بھی ہو گئی ہے تمھاری شادی کی۔'' ان کے لہجے میں شیرینی گھلی ہوئی تھی۔

''خود ہی نہیں سوچتیں یا گھر والے بھی خوابوں کی دنیا میں ہیں؟ بیٹی کمار ہی ہو تو کون اسے پرائے گھر بھیجے گا؟'' یہ جملہ کمرے میں بیٹھے ہر فرد کے ساتھ اندر داخل ہوتی دو استانیوں نے

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

بھی سنا تھا۔ان کے چہرے پر کھلتی مسکراہٹ میں بھی شرافت مفقود تھی۔میرم نے سنجیدگی سے پین بند کیا، نظر اٹھائی اور پورے وقار سے مس زاہدہ کی طرف دیکھا۔

"میں دوسروں کے بچوں کو اس لیے پڑھاتی ہوں تاکہ وہ کل کسی کی بیٹی کو صرف شادی کے قابل سمجھنے کے بجائے بامقصد انسان سمجھیں اور میری عمر اتنی ہو گئی ہے کہ اب اپنے فیصلے خود لے سکتی ہوں۔مجھے لوگوں کی رائے کی ضرورت نہیں۔"اس کا لہجہ خالص اور بے لاگ تھا۔وہ سب پل بھر میں خاموش ہو گئیں۔

خاموشی کا ایک طویل وقفہ آیا۔میرم رجسٹر پچھلے صفحے سے دیکھ دیکھ کر نئے صفحے پر بچوں کے نام لکھتی رہی۔

"ویسے کل پرنسپل نے مس شبانہ سے خاص میٹنگ کی تھی۔تم لوگوں کو بھی بلایا کیا؟"کچھ دیر پہلے اندر داخل ہوئی ٹیچر نے رابعہ، زاہدہ اور رفعت سے پوچھا۔

"نہیں، بس کچھ لوگ ہی منتخب ہوئے تھے جیسے ہماری 'پرنسپل فیورٹ' میرم صاحبہ۔"میرم نے سر جھکا لیا اور رجسٹر میں کچھ نوٹس بنانے لگی۔مگر اس بار اس کے ہونٹوں پر ایک ہلکی اور استہزایہ مسکراہٹ تھی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"کسی کی پسندیدگی حاصل کرنا مشکل نہیں ہوتا... بس وقت پہ کام اور زبان پہ قابو ہونا چاہیے۔ آپ لوگ کوشش کر کے دیکھیں شاید کامیابی کا ذائقہ طنز سے بہتر لگے۔" اس کے جواب پر تمام خواتین کی زبانیں گنگ ہو گئیں۔ الفاظ چماٹ کی صورت منہ پر لگے تھے۔ ان میں سے کوئی کچھ نہ بولا۔ مس رابعہ نے اتنی ہتک پر چہرہ موڑ لیا۔ سوال کرنے والی ٹیچر نے ہنسی دبائی۔ اس کی ساتھی نے مس رفعت کو ٹھوکا دیا اور مس زاہدہ؟ انہوں نے چائے کی پیالی حلق میں انڈیلی اور اٹھ کھڑی ہوئیں۔

دروازے پر ان کے نکلتے ہی دو بچیاں اجازت لے کر اندر داخل ہوئی تھیں۔ ایک بچی کی رو رو کر آنکھیں سرخ تھیں۔ دوسری کا چہرہ پریشان نظر آتا تھا۔

"کیا ہوا۔؟" میرم نے یکبارگی دونوں سے پوچھا۔

"میم... ثناء نے میری پینسل توڑ دی ہے۔" دو پونیوں والی بچی نے رو کر بتایا تھا۔

"اور بریک کے بعد ہمارا سائنس کا ٹیسٹ ہے۔" دوسری بچی نے مزید آگاہی دی۔ میرم کے لبوں سے استہزایہ مسکراہٹ اڑن چھو ہوئی۔ چہرہ آئینے کی طرح صاف اور پر نور ہو گیا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

اس نے بیگ کی زپ کھولی اور پینسلز والا ڈبہ نکالا۔ایک گلابی رنگ کی پینسل نکال کر دو پونیوں والی بچی کے ہاتھ میں تھمائی۔بچی نے حیرت اور شکر گزاری سے پینسل کو دیکھا پھر تشکر سے میرم کو۔

"کبھی کوئی آپ کی چیز توڑ دے نا تو اس چیز پر مت رویا کرو... کیونکہ ہماری جو چیز دوسروں کے ہاتھوں ٹوٹ جاتی ہے، وہ اکثر ہمارے نصیب سے بہتر ملنے کا اشارہ ہوتی ہے۔" پھر اس نے دوسری بچی کو دیکھا جو اب بھی بے چینی سے اپنی دوست کو دیکھ رہی تھی۔

"اور تم فکر نہ کرو۔میں ثناء کی خبر لوں گی۔" پھر نرمی سے بچی کے آنسو صاف کیے۔

"چلو اب بریک ختم ہونے والی ہے۔کلاس میں جاؤ۔" اس نے ان دونوں کو پچکارا۔ان کے چہرے کھلنے لگے تھے۔وہ واپس جانے کے لیے مڑ گئیں۔میرم نے ایک نظر ان خالی کرسیوں پر ڈالی جہاں ابھی کچھ دیر پہلے طنز بھری نگاہیں تھیں۔اب وہاں صرف خاموشی تھی۔

میرم نے گہری سانس بھر کر پین اٹھایا اور سکون سے اپنا کام کرنے لگی۔اب کہ اس کے ہاتھ میں لرزش نہ تھی۔دل میں ایک طمانیت بھرا سکون تھا۔

☆...☆...☆

دروازہ دھڑ سے کھلا اور وہ اندر داخل ہوا۔ صحن سے ہو کر اندر برآمدے تک جاتے ہوئے وہ ہانپ چکا تھا۔ صوفے پر بیٹھ کر اس نے جلدی جلدی بوٹوں کے تسمے کھولے اور پیر جھٹکے۔ جوتے اُڑتے ہوئے ایک طرف جا گرے۔ پھر ایک نحیف سی آواز گونجی۔

''امی! بھوک سے جان نکل رہی ہے... کچھ کھانے کو دے دیں۔ پلیز!'' فیضان یوسف، دس سالہ طوفانی وجود، گرد سے اٹے موزے پہنے، نیلے رنگ کے یونیفارم میں پسینے سے شرابور، کمر پر بیگ، ہاتھ میں پانی کی خالی بوتل، اور چہرے پر وہی مستقل مظلومیت طاری کیے، جنگ شروع کر چکا تھا۔

''نہ سلام نہ دعا، بس آتے ساتھ ہی کھانا کھانا اور بس کھانا۔'' شازیہ بیگم نے کچن کے دروازے سے جھانک کر اسے دیکھا۔ فیضان عرف فیضی نے بستہ بغل سے نکالا۔

''امی، میں تو جینے کے لیے کھاتا ہوں۔'' ٹائی گلے سے نکالتے ہوئے اس کی آواز مسکینیت بھری تھی۔

''تمہیں دیکھ کر لگتا ہے تم کھانے کے لیے جیتے ہو۔'' ان کی آواز میں گہری چوٹ تھی۔ فیضان نے شرٹ کے اوپری دو بٹن کھولتے کچن کی جانب قدم بڑھائے۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

''جوتے کہاں ہیں تمہارے؟''انہوں نے سخت نظروں سے اس کے سفید گدلے ہوتے موزوں میں مقید پیروں کو دیکھ کر کہا۔

''میں زمین سے رشتہ مضبوط کر رہا ہوں۔یونو قدرتی تھیراپی!''وہ آنکھیں بند کر کے ایک تصوف زدہ سا تاثر چہرے پر لایا۔

''چپل سے رشتہ اور مضبوط کرنا ہے کیا؟''ان کا ہاتھ پاؤں کی جانب بڑھا تھا۔فیضان دہل کر پیچھے ہٹا۔

''امی میں تو مذاق کر رہا تھا۔''اس نے دہائی دی۔شازیہ بیگم نے سر جھٹکا۔

''تمہیں اسکول سے آنے کے بعد فوراً یونیفارم اتارنے کی عادت کیوں نہیں ہے؟آخر کب سمجھو گے تم؟''فیضان نے پانی کے کولر کی طرف جاتے ہوئے مظلوم آہ بھری۔

''امی،میں اگر تھوڑی دیر میں مر گیا تو ذمہ دار صرف آپ ہوں گی کہ آپ نے مجھے بھوکا مارا ہے... قسم سے۔''فیضان نے پانی کا پورا گلاس ایک ہی سانس میں حلق میں انڈیلا۔پسِ منظر میں داخلی دروازہ کھلنے اور بند ہونے کی آواز آئی تھی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"سچی امی... اگر آج کھانے میں دال ہے نا تو میں بتا رہا ہوں... میری روح آپ کے سامنے کچن میں ہی پرواز کرے گی۔" وہ ڈرامائی انداز میں چولہے پر رکھی دیگچی کی جانب بڑھا۔

شازیہ بیگم روٹی بنانے لگی تھیں۔

"ہاں جیسے تیرے باپ کے پولٹری فارمز کھلے ہوئے ہیں کہ تجھے روز چکن بنا بنا کر کھلاؤں۔" ان کے طنز پر کچن کے دروازے میں آ کھڑی ہوئی میرم ریحام کے چہرے پر سایہ سا گزرا تھا۔

"السلام علیکم!" بلند آواز میں سلام کیے وہ اندر داخل ہوئی۔ فیضان کا چہرہ اسے دیکھ کر کھل اٹھا تھا۔ شازیہ بیگم نے اس کے سلام کا جواب دیتے ہوئے توے پر روٹی ڈالی۔

"آپی۔ چکن..." فیضان کی آواز میں نادیدہ سی خوشی تھی۔ شازیہ بیگم نے ہنسی دباتے اپنے بیٹے کی خوشی دیکھی۔ میرم مسکرا بھی نہ سکی۔

"صبر نہیں ہوتا تم سے۔" اس نے جونہی ہاتھ سالن کی جانب بڑھایا، شازیہ بیگم نے اس کی کمر پر چپت لگائی تھی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"امی، آپ کو میری بھوک کی شدت کا اندازہ نہیں... اگر ابھی کھانے کو کچھ نہ ملا تو میں... میں... اپنے موزے اتار دوں گا!" میرم کی ہنسی بے ساختہ تھی۔ شازیہ بیگم نے فوراً ناک پر دوپٹہ رکھا۔

"نہیں، خبردار! موزے اتارنے کی کوشش بھی کی تو تمہارا کھانا اور پینا بند کر دوں گی۔ بس پانچ منٹ میں کھانا تیار ہے۔ چپ چاپ جا کے کپڑے بدلو اور موزے دھو کر رکھنا ورنہ شام تک کھانے کو بھول جاؤ۔" شازیہ بیگم کی آواز پر میرم نے آگے بڑھ کر فیضان کے شانے پر ہاتھ پھیلایا۔

"چل بھائی چلیں۔" وہ مسکراہٹ دباتی ہوئی اسے لے کر کچن سے نکل گئی۔

"کھانا مانگ لیں تو موزے دھونے کا حکم نامہ جاری ہو جاتا ہے۔" منہ بسورتے ہوئے فیضان کی گوہر افشانیاں عروج پر تھیں۔ شازیہ بیگم نے نفی میں سر ہلاتے اپنی بگڑی ہوئی اولاد کی شرارتوں پر ماتم کیا تھا۔

☆...☆...☆

رات کی سیاہی مکمل پھیل چکی تھی۔ ہر شے جیسے محوِ سراحت تھی۔ گلِ ریگاں اس وقت تک ادھ سویا ہوا تھا۔ محلے کے چند نوجوان دکانوں کے گرے شٹرز کے سامنے بیٹھے موبائل میں

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

گم نظر آتے تھے۔ گلی کے کونے پر موجود وہ گھر خاموشی میں ڈوبا ہوا تھا۔ صحن میں تاریکی پھیلی ہوئی تھی مگر برآمدے سے سفید بلب کی روشنی کا عکس نظر آتا تھا۔ جالی دار دروازوں سے اندر جھانک کر دیکھو تو وہ تینوں کھانے کی میز کے گرد بیٹھے تھے۔

"امی... پانی ڈال دیں۔" میرم نے موبائل پر نظریں جمائے شازیہ بیگم سے کہا۔ فیضان کا پورا دھیان چاولوں کی پلیٹ پر تھا البتہ آنکھوں میں نیند ہلکورے لے رہی تھی۔

"کھانے کے وقت تو جان چھوڑ دیا کرو اس موبائل کی۔" انہوں نے اسے نرمی سے تنبیہہ کی۔

"کل بچوں کے لیے کچھ تفریحی سرگرمی کرنے کا سوچ رہی ہوں امی۔ بس اسی سلسلے میں ریسرچ کر رہی تھی۔" اس نے ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔

"سارا دن سر کھپاتی ہو، رات کو بھی یہ نوکری تمہیں سکون نہیں لینے دیتی۔" انہوں نے ملامتی انداز میں کہا تھا۔ فیضان نے میرم کا چہرہ دیکھا۔ وہ اسی نرم مسکراہٹ کے ساتھ موبائل کی سکرین دیکھ رہی تھی۔

"آپی... میں جاؤں؟" اس نے آہستگی سے نیند سے بوجھل آنکھیں اٹھا کر پوچھا۔ میرم نے موبائل سے نظریں ہٹا کر اسے دیکھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"سبق نمبر تین اور چار کا ٹیسٹ ہے صبح؟ تیاری کون کرے گا؟" فیضان نے منہ بسورا۔ ہونٹ لٹکا لیے۔

"نیند آ رہی ہے۔" محض ایک بہانہ تھا۔

"چائے بنا دوں۔ نیند بھاگ جائے گی۔" میرم نے کھانا ختم کرتے اسے پیشکش کی۔

"چائے پینے سے تو میری آنکھیں فوراً بند ہو جاتی ہیں۔" اس نے آنکھیں ٹپٹپائیں۔

"کافی بنا دیتی ہوں؟" نئی پیشکش کی گئی۔

"زہر لا دیں۔" اس نے کسی طور بات نہ بنتے دیکھ کر دانت پیستے ہوئے کہا۔ میرم نے ہنسی ضبط کی۔

"زہر سے تو تم ہمیشہ کی نیند سو جاؤ گے۔ کافی زیادہ بہتر ہے۔" وہ اکثر رات کو جاگنے کے لیے کافی پیا کرتی تھی۔ اور فیضان یوسف جانتا تھا کہ اس نے کافی پی لی تو سمجھو ساری رات کتاب ہی آنکھوں کے سامنے رہے گی۔

"آپ کسی زہر سے کم ہیں کیا؟" وہ بڑبڑاتا ہوا کرسی کھسکا کر اٹھا اور بدل نخواستہ میرم کے کمرے کی جانب چل دیا۔ میرم کی نظریں واپس موبائل کی طرف گھوم گئیں۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"اس لڑکے کے ڈرامے ختم نہیں ہو سکتے۔" شازیہ بیگم نے اس کے بگڑے تاثرات پر چوٹ کی۔ میرم ہولے سے ہنس دی۔ ایک وہی تو تھا جو ان کے غم کو خوشی میں بدل دیتا تھا۔ اور اگر وہی بدل جاتا تو؟

"میرو۔!" شازیہ بیگم کی اچانک آواز پر اس نے موبائل سے نظریں ہٹائیں۔ وہ کوئی بات کرنا چاہ رہی تھیں۔ میرم نے موبائل کی سکرین بجھا دی۔

"جی کہیں۔" وہ مکمل طور پر ان کی جانب متوجہ ہوئی۔

"تنخواہ کب ملے گی تمہیں؟" انہوں نے آہستگی سے پوچھا۔

"مہینے کا آخر چل رہا ہے۔ جیسے ہی ختم ہو گا مل جائے گی۔" اس نے کھانے کے برتن سمیٹنے شروع کر دیے۔

"خرچے بہت بڑھ گئے ہیں۔ اوپر سے مہنگائی تو دیکھو۔ ایسے میں بجلی، گیس اور راشن کے ساتھ اپنی ضروریات پوری کرنا اب آسان نہیں ہے، میرم۔ تمہارے ابا کی پینشن ہی کتنی ہوتی ہے؟ دس ہزار؟ اور پندرہ ہزار تمہاری تنخواہ ہے۔ میں تو محلے والوں کے کپڑے سلائی کر کر کے بھی اب تھک چکی ہوں۔" میرم نے ان کی تمہید پر گہری سانس بھری۔ چہرہ بے تاثر ہو گیا۔ شازیہ بیگم مزید بول رہی تھیں۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

''اسی لیے میں نے سوچا ہے کہ اوپر والے کمرے کو کرایے پر دے دیں۔'' وہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔ پلیٹیں اٹھائیں اور کچن میں چل دیں۔ میرم ریحام اپنی جگہ بت بنی رہ گئی۔ کرایے دار ؟یعنی ان کے گھر میں حصے دار؟

''امی۔ آپ سے کس نے کہا ہے یہ؟'' وہ کچن کے دروازے میں ہی کھڑی ہو گئیں۔ میرم کی حالت ان سے مخفی نہیں تھی۔ وہ اس کاری ایکشن جانتی تھیں۔

''پڑوس والی سکینہ نے۔'' انہوں نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔ میرم ریحام کا اندازہ درست تھا۔ اس کی ماں کے ذہن میں یہ خیال ابھارنے والا کوئی اور تھا۔

''اگلے مہینے سے میری تنخواہ میں اِضافہ ہو رہا ہے۔ شاید بیس ہزار ہو جائے۔ آپ فکر نہیں کریں میں کوئی پارٹ ٹائم جاب ڈھونڈ لیتی ہوں۔ لیکن یہ کمرہ کرائے پر دینے کا فیصلہ بدل لیں پلیز۔'' وہ ایک دم فیصلہ کرتی اٹھ گئی۔

''میرم بچے، سمجھنے کی کوشش کرو۔ آج تم ہو مگر کل کو تمہاری شادی ہو جائے گی۔ مجھے اور فیضان کو کون سنبھالے گا؟ میرا بیٹا ابھی چھوٹا ہے۔ اور پھر تمہارا سہارا تو ہمارا انہیں بنے گا نا؟'' میرم جا کر بیڈ پر بیٹھ گئی۔ شازیہ بیگم اس کے پیچھے ہی اندر آئی تھیں۔ فیضان ایک جانب

بیڈ پر بیٹھا کتاب کے ورق الٹ رہا تھا۔ان دونوں کو دیکھ کر سیدھا ہو بیٹھا۔میرم کا موڈ خراب تھا اور ماں کا اس سے زیادہ خراب۔دونوں کے چہروں کے رنگ متغیر تھے۔

"کیا ایک لڑکی صرف اسی وقت مکمل ہوتی ہے جب کوئی مرد اس کے ساتھ ہو؟" وہ پوچھ رہی تھی یا بتا رہی، شازیہ بیگم اندازہ نہیں کر سکیں۔

"کیا اس دنیا میں تنہا آنے اور اکیلے اس دنیا سے چلے جانے والوں کو کسی سہارے کی ضرورت ہوتی ہے؟" شازیہ بیگم نے نظریں چرا لیں۔فیضان سنجیدگی سے دونوں کی بحث و تکرار دیکھ رہا تھا۔

"میں نے یہ کب کہا؟بس تمہیں دیکھ کر دل ڈوبتا ہے میرا۔لوگ طرح طرح کی باتیں کرتے ہیں کہ میں بیٹی کو گھر بٹھا کر اس کی کمائی کھا رہی ہوں۔ساری دنیا جی رہی ہے میرو اور میری بیٹی اس زندگی کو صرف گزار رہی ہے۔کیوں؟" انہوں نے اپنی آواز کو مضبوط رکھنا چاہا لیکن بے سود۔فیضان تڑپ کر ماں کے قریب ہوا تھا۔

"جس دن میں لوگوں کی باتوں پر چلنے لگوں گی، اس دن اپنی پہچان کھو دوں گی۔یہ دوغلے لوگ زبان سے کچھ اور دل میں کچھ ہوتے ہیں۔ہمیں مشورہ دینے اور پھر اس پر باتیں بنانے والے بھی یہی لوگ ہیں امی۔لوگوں کی رائے میری راہ متعین نہیں کر سکتی۔" اس نے

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

فیضان کو ماں سے لپٹتے دیکھ کر کہنی سے پکڑ کر اپنی جانب کھینچ لیا۔وہ ماں کے سینے سے لگتا اور ماں کی آنکھیں بہنے لگتیں، یہ قبول نہیں تھا۔وہ میرم کے سینے سے لگ جائے اور اس کا دل خون کے آنسو روپڑے، یہ قبول تھا۔اور وہ اس کے سینے میں منہ چھپا گیا۔

"ٹوٹنے سے پہلے خود کو سنبھال لینا سیکھ لو ورنہ یہ دنیا گرداب کی طرح کھینچتی ہے۔اور ہم اس کے چکر میں ڈوب جاتے ہیں۔خود کو تھام لو میرم۔"ان کا لہجہ کھردرا ہو گیا تھا۔لہجے میں کوئی کاٹ سی تھی۔میرم نے ماں کے ہاتھ کو تھاما۔بچپن کے سارے موسم اس ایک چھوٹی سی گرفت میں پلٹ آئے تھے۔

"امی...سہارے عارضی ہوتے ہیں۔مجھے اب دوسروں کے سہارے سے ڈر لگتا ہے کیونکہ لوگ جب چھوڑتے ہیں نا تو وہ جگہ مدتوں تک خالی رہتی ہے جہاں وہ کبھی تھے۔"اس نے نرمی سے کہہ کر ماں کا ہاتھ لبوں سے لگایا۔

"اپنا سہارا اگر تمہیں خود بننا ہے تو فیصلہ کرنا پڑے گا۔اور فیصلے حالات پر ہوتے ہیں باتوں پر نہیں۔"انہوں نے میرم کا دایاں گال سہلایا۔وہ چند لمحے پر سوچ نگاہوں سے انہیں دیکھے گئی۔

"یہ آپ کا آخری فیصلہ ہے؟"اس نے ہتھیار ڈال دیے۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"ہاں اور ہم کسی ایرے غیرے کو نہیں رکھیں گے اور مردوں کو تو قطعاً نہیں۔ بس کسی شریف عورت یا ضرورت مند لڑکی کو کمرہ دیں گے۔ جو ہماری شرائط و ضوابط پر پوری اتر سکے۔" انہوں نے اگلا سارا لائحہ عمل طے کر رکھا تھا۔

"اجنبیوں کو گھر دینا آسان نہیں ہوتا امی۔" اس نے بیڈ کی پشت سے ٹیک لگالی۔ فیضان کو یونہی اپنے پہلو سے لپٹائے رکھا۔ وہ شاید وہیں سو گیا تھا۔ یا پڑھائی سے راہِ فرار اختیار کرنے کی کوشش میں کامیاب ہو گیا تھا۔

"پندرہ ہزار سے کم تو کرایہ میں بھی نہیں رکھوں گی۔" اماں نے اپنی رائے بتائی۔ ان کے لیے میرم کی نیم رضامندی بھی کافی تھی۔ فیضان کے سر میں انگلیاں چلاتی میرم مسکرا دی۔

"بیس ہزار رکھنا، کرایے دار خود پندرہ تک آجائے گا۔" ماں نے اس کے مشورے پر سر ہلا دیا۔

"اس کو دیکھو۔ نا جانے کس غم میں آنسو بہا کر سو گیا ہے۔ چلو پھر یہ یہیں سو جائے۔" شازیہ بیگم مصنوعی انداز میں پچھلی بات کا اثر زائل کرتیں اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی تھیں۔ ان کے جاتے ہی میرم کے ہونٹوں پر بکھری مسکراہٹ سمٹ گئی۔ وہ جانتی تھی فیضان کس لیے روتا تھا۔ وہ روتا تھا کہ ان کے سر سے سائبان چلا گیا، وہ ننگ ہو گئے تھے۔ وہ اپنی خواہشات کو

پانے سے محروم ہو گیا تھا۔ باپ کا سایہ چھن جائے تو بچے ساری زندگی کے لیے محروم ہو جاتے ہیں۔ اسے رونا آتا تھا، گھر کے حالات پر، اپنی بہن کی قسمت پر، ماں کی محبت پر، وہ ایسے گرداب میں پھنس چکے تھے جس سے نکالنے والا کوئی سہارا موجود نہ تھا۔

☆...☆...☆

دوپہر کی دھوپ میں گلی سنسان ہو گئی تھی۔ میرم اور فیضان اسکول گئے ہوئے تھے۔ شازیہ بیگم اگلے ہی روز محلے کے معروف شخص منشی صاحب کے گھر چلی آئی تھیں۔ دروازہ ان کی بیگم راحیلہ نے کھولا۔ باہر کے گرم ماحول کی بنسبت اندر کا ماحول ٹھنڈا تھا۔ وہ برآمدے میں پلنگ پر بیٹھیں راحیلہ کی بوڑھی ساس سے ان کی خیریت دریافت کر رہی تھیں۔ وہ نحیف تھیں اور اٹھنے سے بھی قاصر تھیں۔ تبھی راحیلہ ٹرے میں جوس کا گلاس رکھے اندر داخل ہوئی۔

"ارے اس تکلف کی کیا ضرورت تھی۔ میں کوئی مہمان تھوڑی ہوں۔" انہوں نے جھجک کر کہا۔

"پھر کیا ہوا۔ آپ کون سا روز روز ہمارے گھر آتی ہیں۔ اوپر سے آج سورج بھی سوا نیزے پر ہے۔" راحیلہ نے گلاس میز پر رکھ کر خود بھی وہیں ساس کے پاس پلنگ پر بیٹھ گئیں۔

"سلائی کے لیے جو کپڑے دیے تھے سارے سی دیے ہیں۔ تم دیکھ لو۔" انہوں نے نیلے رنگ کا شاپنگ بیگ ان کی طرف بڑھایا۔ چند منٹ وہ دونوں کپڑوں پر بات چیت کرتی رہیں۔ دو ماہ بعد ان کی بیٹی کی شادی تھی۔ تیاریاں ابھی سے شروع ہو چکی تھیں۔ شازیہ بیگم کی خوش قسمتی تھی کہ وہ ایسے مواقع پر کپڑے سی کر اچھا کما لیا کرتی تھیں۔

"راحیلہ مجھے ایک کام تھا۔" وہ مدعے پر آئیں۔

"ہاں... بولو کیا کام ہے؟" انہوں نے پھیلے ہوئے کپڑے تہ کرتے ان سے استفسار کیا۔ آنکھوں میں خوشی اور ستائش دونوں تھیں۔ گویا وہ شازیہ بیگم کی سلائی کی دلدادہ تھیں۔

"میں سوچ رہی ہوں اوپر والا خالی کمرہ کرایے پر دے دوں۔ تھوڑا ہاتھ ہلکا ہو جائے گا۔" راحیلہ نے سمجھنے والے انداز میں سر ہلایا۔

"لیکن سوال یہ ہے کہ کرایے پر وہ کمرہ لے گا کون؟" انہوں نے عذر پیش کیا۔

"بھائی صاحب نے پچھلے ہفتے ماسٹر جی کو کرایے دار ڈھونڈ کر دیا تھا۔ اگر ہو سکے تو مجھے بھی کوئی شریف النفس خاتون ڈھونڈ دیں۔ کوئی بیوہ، طلاق یافتہ یا پھر کوئی ضرورت مند لڑکی ہو۔" انہوں نے پوری بات بتاتے ہوئے ان کے جواب کا انتظار کیا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"میں منشی صاحب سے بات کروں گی وہ مناسب کرایے پر کسی کو ڈھونڈ دیں گے۔" راحیلہ نے ان کی مشکل آسان کی تھی۔ شازیہ بیگم کے کندھوں سے منوں بوجھ اتر گیا تھا۔

"بہت شکریہ۔ میں یہ احسان کبھی نہیں بھولوں گی۔" وہ ممنون ہوئیں۔

"احسان کیسا؟ یہ تو ہمسایوں کے حقوق و فرائض ہوتے ہیں۔" انہوں نے شازیہ بیگم کا حوصلہ بڑھایا تھا۔ وہ مسکرا دیں۔

☆...☆...☆

چھٹی کی گھنٹی بجی تو پورے اسکول میں بھگدڑ مچ گئی۔ اندھا دھند گیٹ سے باہر نکلتے بچوں کی آوازوں میں خوشی کی لہر تھی۔ وہ باہر نکلی تو فیضان کو گیٹ کے قریب برگد کے درخت کے نیچے کھڑا پایا۔ نیلی شرٹ کی آستینوں کو کہنیوں تک موڑے، بکھرے بالوں اور دونوں ہاتھ سینے پر باندھے وہ آتے جاتے بچوں کو دیکھ رہا تھا۔ لیکن وہ صرف بچوں کو نہیں دیکھ رہا تھا۔ وہ بچوں کو لینے آنے والے والدین کو بھی دیکھ رہا تھا۔

"السلام علیکم۔" میرم کو اپنے قریب آتے دیکھ کر اس نے جھٹ سے سلام کیا۔

"وعلیکم السلام۔ یہاں کیا کر رہے ہو؟" اس نے فیضان کے کندھے پر ہاتھ پھیلاتے ہوئے پوچھا۔

"سوچا آج اکھٹے گھر جائیں۔" وہ دونوں سامنے گراؤنڈ میں پارک گاڑیوں کی طرف بڑھ رہے تھے۔

"تم اپنے اسکول سے بیس منٹ کی پیدل مسافت طے کر کے اس لیے میرے پاس آئے ہو کہ اکھٹے گھر چلیں گے؟" وہ ابرو اچکائے پوچھ رہی تھی۔

"آپ کو کوئی شک ہے؟ کیا میں آپ کو مشکوک لگتا ہوں؟" فیضان نے اسے گھورا۔

"عقل تو سرے سے نہیں ہے۔ شک کس بات پر کروں گی؟" ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھولتی میرم ریحام نے اس کی چھوٹی عقل پر چوٹ کی تھی۔

"جس دن میں پورے گلِ ریگاں کو روشن کر دوں گا نا اس دن آپ مجھ پر فخر کریں گی۔" بستہ پچھلی سیٹ پر پٹکتے ہوئے وہ اگلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔

"ہیں! وہ کیسے؟" میرم کی حیرانی بجا تھی۔

"ہزار واٹ کی فلڈ لائٹس لگا کر۔ نہ صرف گلِ ریگاں بلکہ ساتھ والے دو محلے بھی جگمگائیں گے۔" فیضان نے سینہ چوڑا کیا۔ انداز فاتحانہ تھا۔ میرم کو بے ساختہ ہنسی آئی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"ہنسیں مت! فیضان یوسف اندھیر نگری کا چمکتا ستارہ ہے۔" اس کی بات پر ایگنیشن چابی گھماتی میرم نے سر نفی میں ہلایا۔ بڑی مشکل سے اس نے اپنا قہقہہ ضبط کرنے کی کوشش کی تھی۔

"یعنی... واپڈا کے ناکام پروجیکٹس میں تمہارا ہاتھ ہے؟" اس کی آنکھوں میں شرارتی چمک تھی اور ہونٹوں پر دبی دبی مسکراہٹ۔ فیضان نے منہ کھولے بے یقینی سے اسے دیکھا گویا اس کی عظمت کو لمحہ بھر میں لوڈشیڈنگ نے نگل لیا ہو۔ اس کے بعد وہ کچھ نہیں بولا اور پھولے ہوئے منہ ساتھ رخ موڑ گیا۔

"کیا بات ہے فیضی؟" وہ مین روڈ پر نکل آئے تھے جب میرم کی آواز پر فیضان نے چہرہ موڑا۔

"آپ سے مطلب؟" وہ ناراضی سے بولا۔ اس کے نروٹھے انداز پر میرم نے پیار سے اس کے گالوں پر چٹکی بھری۔ پھر اس کے بکھرے بال مزید بکھیر دیے۔

"اب خوش!" گرمی تھی یا کیا؟ فیضی اتنے سے پیار پر ہی پگھل گیا تھا۔

گاڑی کی رفتار دھیمی تھی۔ رکشے، موٹر سائیکلوں کے ہارن، گاڑیوں کا شور۔ وہ ایک مصروف دن تھا۔ سڑک کنارے گل فروش کھڑے تھے۔ ان کے پاس بیٹھے معصوم بچے گلاب بیچ

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

رہے تھے۔فیضان نے ایک نظر ان پر ڈالی۔آنکھوں میں کچھ یکجا ہوا تھا۔چہرے پر سنجیدگی در آئی۔

"دیکھیں آپی...میں آج واقعی ایک عقلمندانہ مشورہ دینے والا ہوں۔ڈانٹنے کی اجازت نہیں ہے"اس نے اپنا پورا رخ میرم کی جانب موڑ لیا۔

"سوچ سمجھ کر بات کرنا ورنہ مجھے ہاتھ اٹھانے کی اجازت ہے۔"میرم نے اسے تنبیہہ کی تھی۔وہ آنکھیں سکوڑ کر اسے دیکھے گیا۔

ماں باپ کے بعد بہن بھائی ہی وہ واحد ہستی ہوتے ہیں جو ہمیں اچھے اور برے کی پہچان کروا سکتے ہیں۔ان کا سہارا سب سے مضبوط سہارا ہوتا ہے۔وہ ہمیشہ ڈھال بن کر ہماری حفاظت کرتے ہیں۔

وہ بھی فیضان کے لیے ایسا سہارا تھی جسے تھام کر وہ شعور کی سیڑھیاں چڑھ رہا تھا۔اور اگر ایسے میں وہ کوئی غلطی کرتا یا سرکش ہوتا تو اسے پورا اختیار تھا کہ وہ فیضان کے تمام ڈھیلے پرزے کس دے۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"ہمیں اوپر والا کمرہ کسی کرایے دار کو دے دینا چاہیے۔ بس یہی بات ہے اور یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔" بات کرنے کا سنجیدہ انداز اس پر متضاد اس کا ہاتھ کے اشاروں سے بات کرنا۔ واللہ وہ یوسف صاحب کی کاربن کاپی تھا۔

"فیضی... تمہیں لگتا ہے میں کسی اجنبی کو گھر میں آنے دوں گی؟" وہ رات سے اب تک انہی سوچوں میں غلطاں رہی تھی۔ بمشکل ڈھونڈ کر اس نے جو دو چار حل نکالے تھے ان کا بھی کوئی سرا ہاتھ نہیں آرہا تھا۔

"اجنبی پہلے دن اجنبی ہوتا ہے آپی۔ دوسرے دن وہ بات کرنے لگتا ہے، تیسرے دن کوئی چیز مانگ لیتا ہے، اگلے دن گھریلو مشکالات اور ذاتی پریشانیوں میں غم گسار بن جاتا ہے۔" وہ رٹے ہوئے سبق کی طرح دوہرا رہا تھا۔ میرم نے اس کے الفاظ جانچے۔

"اور آخر میں کرایہ دینے سے کترانے لگتا ہے۔" اس کا انداز سنجیدہ تھا مگر آنکھوں میں مخصوص چمک تھی۔

"تب تک وہ آپ کو اتنا فائدہ دے چکا ہوتا ہے کہ دل ہی نہیں کرتا اسے نکالا جائے۔" میرم اب کہ مکمل سنجیدہ ہو چکی تھی۔ فیضان نے حلق تر کیا۔ سامنے اس کی بڑی بہن تھی... لیکن کھڑوس بہن کے روپ میں۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"امی روز بیمار پڑتی ہیں، بجلی کا بل دن بہ دن بڑھ رہا ہے۔چند ہزار روپوں میں آج کے دور میں ضروریات بمشکل پوری ہوتی ہیں کجا کہ خواہشات کا پورا ہونا۔اور آپ جو بھی کہہ لیں ایک عورت کے کندھے مرد جتنے مضبوط نہیں ہو سکتے۔وہ تنہا سارا بوجھ نہیں سہار سکتی۔ایسے میں کرایے دار کا ہونا اور کرایہ دینا ہمارے مالی حالات میں وسعت ڈال سکتا ہے۔"میرم نے گردن موڑ کر اپنے چھوٹے بھائی کو دیکھا جو اپنی عمر سے کہیں زیادہ سمجھداری کی بات کر رہا تھا۔

"وسعت صرف اللہ تعالیٰ عطا کرتا ہے۔وہ الباسط ہے۔جس کے خزانوں کا کوئی حساب ہے نہ حد۔ہم تو بس روزن ڈھونڈتے ہیں اور جب بند دروازے دیکھ کر تھک ہار کر بیٹھ جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ہمارے لیے اپنی رحمت کی کھڑکیاں کھول دیتا ہے۔"میرم کی نظریں اس کے معصوم چہرے پر جم گئیں۔وہ جو بولی تھی،وہ سبق بچپن سے سیکھ رکھا تھا۔فیضان آنکھیں ٹپٹپائے اسے دیکھے گیا۔کوئی اسے بتاتا کہ وہ یہ بات کرتے ہوئے اپنے باپ کا پرتو لگی تھی۔

"میں جانتی ہوں فیضی...حالات نے ہمیں جھکنے پر مجبور کر دیا ہے۔"وہ مزید گویا ہوئی۔

"اور اگر اس سے نکلنے کا کوئی ذریعہ اللہ بھیج رہا ہے تو میں اپنے گھر کے دروازے اس کی رحمت کے لیے کھول کے رکھوں گی۔"میرم نے چہرہ سیدھا کر لیا۔فیضان کا چہرہ کھل اٹھا تھا۔وہ گلِ

ریگاں میں داخل ہو چکے تھے۔ایک جانب گھر،ان کے سامنے ریتلی زمینیں،آتے جاتے لوگ،ریڑھی بانوں کی صدائیں اور اس سب میں محلے کے آغاز پر بنا وہ گھر۔نیلے رنگ میں ڈھلا....نوابوں کا گھر۔میرم ریحام نے اسے دیکھ کر نگاہیں پھیر لیں۔

"ہمیں بچانے کوئی نہیں آتا آپی...ہم خود اپنے آپ کو بچانے کا فیصلہ کرتے ہیں اور پھر ہمارا رب کسی کو وسیلہ بنا کر ہماری طرف بھیج دیتا ہے۔آپ دیکھنا اللہ تعالیٰ ہمارے لیے آسانیاں پیدا کرے گا۔"میرم نے ابرو اٹھائے فیضان کو دیکھا۔یہ تمام گفتگو کے الفاظ فیضان یوسف کے تو کہیں سے نہیں تھے۔یقیناً اماں نے اسے خوب سبق یاد کروایا تھا۔

"تم بہت عقل مند ہو گئے ہو فیضی۔"میرم کی بات پر وہ دونوں ہنس پڑے۔فیضان اب اسے اپنے اسکول کے بارے میں بتا رہا تھا اور میرم ریحام خاموشی سے سن کر اس پر تبصرے کر رہی تھی۔

☆...☆...☆

ستمبر کے اوائل دن چل رہے تھے۔ایسے میں بہاولپور کا موسم دھوپ چھوں سا تھا۔بارشوں کی وجہ سے رات ٹھنڈی ہو گئی تھی۔رات کا دوسرا پہر جاری تھا۔وہ اسی سرد اور سیاہ رات میں چھت پر بیٹھی تھی۔قدرے ایک جانب یہ حصہ میرم ریحام کے لیے کمفرٹ زون

تھا۔آسمان پر جھلملاتے ستارے اسے دیکھ کر آپس میں سرگوشیاں کر رہے تھے۔مبادا وہ آج کوئی نیا مسئلہ لے کر پیش ہوئی تھی؟

وہ دونوں بازو گھٹنوں کے گرد باندھے ان پر ٹھوڑی ٹکائے کسی غیر مرئی نقطے کو دیکھ رہی تھی۔سامنے تمام گھروں کی چھتیں نظر آتی تھیں۔بالکل سیدھ میں موجود گھر کی چھت پر ایک پنجرہ موجود تھا۔جس میں غور سے دیکھنے پر کبوتر بیٹھے معلوم ہوتے تھے۔ان کے ساتھ رکھے ایک اور پنجرے میں مرغی اپنے بچوں کو پروں تلے چھپائے بیٹھی تھی۔مگر اس کا دھیان ان میں سے کسی پر بھی نہیں تھا۔

اس نے کرایے دار رکھنے کے لیے مکمل حامی بھر لی تھی۔منشی صاحب تمام تفصیلات کو مد نظر رکھتے ہوئے کوئی کرایے دار ڈھونڈ رہے تھے۔

سامنے والی گھر کی چھت پر اچانک ہلکی سی دھپ کی آواز ابھری تھی۔وہ چونک اٹھی۔گردن اٹھا کر سامنے دیکھا تو ایک جانب دیوار پر موٹا تازہ بلا بیٹھا نظر آیا۔وہ مرغی کے بچوں پر گھات لگائے بیٹھا تھا۔وہ اس کا اگلا سارا عمل جانتی تھی۔وہ کتنی مرتبہ یہ سین دیکھ چکی تھی۔

بلا دبے قدموں چلتا ہوا مرغی کے پنجرے تک آیا۔وہ آنکھیں بند کیے سو رہی تھی۔جیسے ہی بلے نے اس کے پنجرے پر پیر رکھا،وہ ڈر کر کٹ کٹانے لگی۔چوزوں کی چوں چوں نے

ماحول میں ارتعاش پیدا کیا۔ بلا ایک دم پیچھے ہٹ گیا۔ وہ اس کے محتاط انداز پر مسکرا دی۔ وہ جانور کتنا عقلمند تھا نا، اپنے شکار کو پانے کے لیے کیسے احتیاط برت رہا تھا۔

جیسے ہی مرغی شانت ہوئی، اس نے اپنا پنجہ پنجرے کی سلاخوں میں گھسا کر جھٹ سے ایک چوزے کو دبوچا۔ مرغی تڑپ کر رہ گئی۔ سیکنڈز کا کھیل تھا۔ وہ چوزے کو منہ میں دبوچے برق رفتاری سے ساتھ والی دیوار پھلانگ گیا تھا۔ میرم ریحام اپنی جگہ جمی رہ گئی۔

چوزے اب چوں چوں کرتے ادھر ادھر بکھر گئے تھے۔ ان کا ایک ساتھی شکاری کا شکار بن چکا تھا۔ اور ان کی ماں کچھ نہیں کر سکی تھی۔ یکایک میرم کے لبوں پر طنزیہ مسکان ابھری۔ اور پھر وہ مسکان آہستہ آہستہ گہری ہوتی چلی گئی۔

یہی تو ہوتا ہے... چیخیں، تڑپ، ماتم، یہ سب بعد میں آتے ہیں۔ شور مچانے سے پہلے سب کچھ چھن چکا ہوتا ہے۔

مرغی اب پنجرے کے اندر دیوانہ وار پھڑ پھڑا رہی تھی۔ پروں کی آواز سلاخوں سے ٹکرا کر بے معنی شور پیدا کر رہی تھی۔ اسے سننے والا کوئی نہ تھا۔ وہ ایک ایک چوزے کو چونچ سے سمیٹتی شاید اپنے بچے گن رہی تھی اور ہر بار ایک کی کمی اسے پھر سے کٹ کٹانے پر مجبور کر دیتی۔ بلا جا چکا تھا مگر پیچھے ڈر و خوف کے آثار ابھی باقی تھے۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

میرم نے لمبی اور گہری سانس لی۔ کتنی عجیب بات تھی نا۔

قصور مرغی کا تھا نہ چوزوں کا۔ پنجرہ بھی محفوظ تھا مگر پھر بھی جانی نقصان ہو گیا تھا۔

اس نے گھٹنوں کے گرد بندھے بازوؤں کی گرفت مزید مضبوط کر لی۔ ٹھوڑی کو پھر سے ان پر ٹکایا۔

نگاہ پھر اسی غیر مرئی نقطے پر جم گئی مگر اب کی باران میں سرخی اور نمی تھی۔

☆...☆...☆

بہاولپور کے ریلوے اسٹیشن کی فضا میں بے نام سی خاموشی طاری تھی۔ سہ پہر کے چھٹتے سائے ریل کی پٹریوں پر لمبے ہوتے جا رہے تھے۔ آج موسم خوشگوار تھا۔ ان دنوں برسات نے گرمی کا زور توڑ رکھا تھا۔

پلیٹ فارم نمبر چار پر ہل چل مچی ہوئی تھی۔ بچوں کی صدائیں، چائے والے کی آوازیں، نارنجی وردی پہنے ادھر سے ادھر تیزی سے بھاگتے کلی اور بینچوں پر بیٹھے آنے والی گاڑی کے منتظر لوگ۔ جیسے ہی تین بجے، دیوار پر نسب گھڑیال نے 'ٹن' کی آواز کے ساتھ مسافروں کو مطلع کیا تھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"لاہور سے بہاولپور آنے والی ٹرین پلیٹ فارم نمبر چار پر آ رہی ہے۔ مسافر حضرات ہوشیار رہیں۔" اسپیکر سے ابھرتی آواز کے ساتھ ہی ریل گاڑی سیٹی بجاتی ہوئی دھیمی رفتار سے وہاں آ کر رکی۔ لوگوں نے بیگ کسے، ٹکٹس تھامے اپنی مطلوبہ بوگیوں کی جانب قدم بڑھائے تھے۔ اترنے والے مسافر ایک ایک کر کے اترتے چلے جا رہے تھے۔ انہیں کے درمیان بوگی نمبر سات کے دروازے سے 'وہ' اترتا دکھائی دیا۔

پلیٹ فارم پر ایک لمحے کے لیے سب کچھ تھم گیا۔ وقت رک گیا۔ فضا جیسے ساکت ہوئی۔ لوگوں کی ہل چل منجمد ہوتی چلی گئی۔

اس نے سر پر دھوپ سے بچاؤ کے لیے سیاہ پی کیپ لے رکھی تھی۔ سیاہ جینز کے ساتھ سیاہ رنگ کی شرٹ زیب تن کیے آستینوں کو کہنیوں تک موڑ رکھا تھا۔ کندھوں پر سیاہ رنگ کا بیگ پیک تھا۔

اس نے سیاہ و سفید جوگرز میں مقید پیر زمین پر رکھے پھر سر جھکائے نیچے اترا۔ کسی راہ گیر کے کندھے سے کندھا ٹکرایا۔ اسی لمحے فضا میں پھیلا جمود ٹوٹ گیا۔ ہر شے متحرک ہوتی گئی۔ شور بحال ہوا۔ لوگ ادھر سے ادھر جا رہے تھے لیکن وہ ان سب سے دور باہر کی جانب بڑھ رہا تھا۔

لوگ جانے والے تھے۔وہ ابھی آیا تھا۔

وہ سر جھکائے ریلوے اسٹیشن کی بیرونی سیڑھیاں اتر رہا تھا۔جونہی زمین کی سطح پر قدم پڑا تو چہرہ اوپر کی جانب اٹھ گیا۔اس نے عنابی لب گول کیے بھاری سانس خارج کی۔دھوپ کی تمازت پڑی تو اس کی انکھیں سکڑتی گئیں۔اس کی آنکھیں کیسی تھیں بھلا؟ان کا رنگ سرمئی تھا۔

گہری سرمئی آنکھیں! واللہ وہ راکھ میں لپٹی آنکھیں....اُس پل وہ دھوپ کے باعث چھوٹی ہو گئی تھیں۔اس نے گریبان میں اٹکی سیاہ عینک اتاری اور ناک پر سجالی۔قیامت خیز آنکھیں عینک کے پیچھے چھپ گئی تھیں۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

وہ کون تھا؟

عربی؟ چینی؟ایرانی یا افغانی؟

اونہوں...

وہ 'لاہوری' تھا۔

اور لاہور والوں کے پاس جس حسن کا ذخیرہ تھا وہ دنیا والوں کو کہاں میسر!

"صاحب کدھر چلو گے؟" مکھیوں کی طرح اسٹیشن کے باہر بھنبھناتے رکشے والوں میں سے ایک بھاگ کر اس کے پاس آیا تھا۔ اس نے ٹھہر کر شرٹ کی اوپری جیب سے کوئی پرچی نکالی۔ شیشوں کے پار موجود آنکھوں نے کچھ پڑھا پھر واپس پرچی جیب میں ڈال دی۔

"جہاں جانا ہے وہ جگہ دور ہے... فی الحال کسی بڑے بازار لے چلو۔" وہ رکشے والے کی میعت میں چلتا آگے بڑھتا جا رہا تھا۔

☆...☆...☆

یوسف صاحب کے گھر پر سہ پہر کی دھوپ سوا نیزے پر چمک رہی تھی۔ گھر کا نچلا حصہ سنسان تھا۔ البتہ اوپر والی منزل سے شور کی آوازیں آتی تھیں۔

"میرم! فیضان! کدھر کھو گئے ہو دونوں؟" یہ تیز اور ہانپتی ہوئی آواز شازیہ بیگم کی تھی۔ وہ بالائی کمرے میں کھڑی تھیں۔ پیشانی پر پسینہ اور ہاتھ میں گدلا جھاڑ پھونچھ والا کپڑا تھا۔

"کیا ہوا امی؟" سرجیکل ماسک پہنے فیضان نے دروازے سے اندر جھانکا تھا۔

"کیا پورا دن ایک کچن کی صفائی پر برباد کرو گے تم؟" ان کی ڈانٹ پر وہ اندر داخل ہوا۔ بائیں ہاتھ میں جھاڑو تھام رکھا تھا۔

"پورا دن تو برباد ہو گیا ہے۔ مزید کیا ہونا ہے؟" اس نے آہستہ آواز میں دہائی دی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"جالے اتارو جلدی سے۔" انہوں نے نیا کام اس کے زمے لگایا۔

"آپی کو بلائیں... میرا قد چھوٹا ہے۔ گردن اکڑ جائے گی۔ آپی! آپی!.... امی بلا رہی ہیں۔" مشورے کے ساتھ فری سروس مہیا کی گئی تھی۔ اگلے ہی لمحے میرم ریحام بوتل کے جن کی طرح حاضر ہوئی تھی۔

"کیا ہوا؟" میرم کی آواز پر شازیہ بیگم نے مڑ کر اسے دیکھا۔ وہ بھی سرجیکل ماسک پہنے ہوئے تھی۔ ایک تو وہ اپنی اولاد کی اس الرجی سے سخت خائف تھیں۔

"جالے اتارو فوراً پھر پورے کمرے کی صفائی کرو دونوں۔ میں زرا چھت صاف کرلوں۔" وہ کہتی ہوئی باہر کی جانب بڑھی گئیں۔

"یہ اماں کو اتوار کا دن ہی ملا تھا ہم دونوں سے غلامی کروانے کو۔" فیضان نے میرم کے قریب سرگوشی کی تھی۔ تبھی کوئی شے آکر پشت پر لگی۔

"آہ!" وہ کراہ کر رہ گیا۔ شازیہ بیگم نے جالے اتارنے والا برش اس کی جانب پھینکا تھا۔

"اب زبان چلائی تو برش کی جگہ ڈنڈا آئے گا۔ توبہ! زبان دیکھو اس کی... نئے کرایے دار آنے والے ہیں اور گھر کی حالت دیکھو تو ایسے جیسے قافلے گزرے ہوں۔" ان کے ماتھے پر بل تھے۔ میرم نے مسکراہٹ ضبط کرتے نیچے جھک کر جالے اتارنے والا برش اٹھالیا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"قافلے تو امی آپ کے صبر کے ہیں... جو ہم جیسے دو بیکار بچوں کو سنبھالے ہوئے ہیں۔" اس کا اشارہ صبح سے اب تک نہ ختم ہونے والے کام کی جانب تھا۔

"واہ! آپی نے اپنی تعریف کی ہے۔" فیضان چہکا تھا۔

"جی نہیں... میں نے تمہاری تذلیل کی ہے۔" میرم نے برش اس کی جانب گھمایا۔ وہ ایک دم پیچھے ہٹا اور دیوار کے ساتھ رکھے پلنگ پر ڈھے گیا۔

"افف۔ یہ بیڈ بھی نا۔ امی بیچ دیں اسے۔" بیڈ کو کور کرنے والی سفید چادر مٹی سے اٹی ہوئی تھی۔ فیضان فوراً اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ فوراً سے ماسک ٹھیک کرتے وہ دور ہٹ گیا۔

"تمہیں نا بیچ دوں۔ خبردار جو میرے جہیز کے بیڈ کو کچھ کہا۔ میرم احتیاط سے صاف کرنا اسے۔" انہوں نے کہتے ہوئے دیوار پر لگے سوئچ بورڈ کے بٹن دبائے۔ ایک بتی روشن ہوئی تھی۔

"شکر ہے بلب کام کر رہا ہے۔ اب جلدی سے یہ کام ختم کرو۔ اور میرم جو چیز جہاں ہے وہیں رہنے دینا... ہو سکتا ہے یہ سامان کرایے دار کے کام آجائے۔" وہ باہر نکل گئیں۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"یہ کیا بات ہوئی؟اب مکان کے ساتھ سامان بھی مفت میں دیں اسے؟"میرم نے سر جھٹکا تھا۔بے شک وہ سامان فالتو تھا لیکن کوئی ایرا غیرا اسے کیوں استعمال کرے؟اسے اپنی ماں کی رحم دلی پر افسوس تھا۔

"آپی اس کونے سے بھی جالے اتاریں...ایک جالا لٹک رہا ہے۔"فیضان اب مزے سے کرسی پر بیٹھا میرم کو ہدایات دیے جا رہا تھا۔

"یہ تو کسی پرانی مکڑی کی رہائش گاہ لگتی ہے۔"میرم نے آخری کونے میں لگے جالے اتارتے ہوئے تبصرہ کیا تھا۔

"تو پھر اسے بھی نوٹس دے دیں کیونکہ نیا رہائشی آنے والا ہے۔"فیضان کی بات پر میرم نے پلٹ کر دروازے کی جانب دیکھا۔باہر سے جھاڑو لگانے کی آواز آ رہی تھی۔

"فیضی...تم جھاڑ پونچھ کرو،میں تب تک اماں کی مدد کر لوں۔"وہ کہتی ہوئی برش تھامے باہر نکل گئی۔فیضان نے بے یقینی سے پورے کمرے میں نگاہ دوڑائی پھر خود کو دیکھا۔اس کی بہن ماں کا ہاتھ بٹانے کے چکر میں فیضان یوسف کو امتحان میں ڈال گئی تھی۔

☆...☆...☆

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

رات کی تاریکی میں سڑک کنارے لگے سٹریٹ پولز کی روشنی میں ایک ہیولہ سا آگے بڑھتا دکھائی دے رہا تھا۔اس کے پیروں میں سیاہ جوگرز تھے جو بہاولپور کی ریتلی مٹی سے لپٹ لپٹ کر اپنی منزل کی جانب رواں تھے۔دفعتاً وہ ٹھہر گیا۔

اس کے کندھے سے جھانک کر دیکھو تو وہ موبائل تھامے کال لاگ کھولے ہوئے تھا۔ہاتھوں کی نسیں پھولی ہوئیں اور سفید جلد پر سیاہ خوبصورت بال ابھرے ہوئے تھے۔

اس نے ایک محفوظ شدہ نمبر ڈائل کیا اور فون کان سے لگاتے قدم آگے بڑھا دیے۔

"السلام علیکم یا عزیزم۔"اس کے سنجیدہ چہرے پر خوبصورت، میٹھی مگر اداس مسکان ابھری تھی۔

"میں پہنچ چکا ہوں اور اللہ کے فضل سے خیریت سے ہوں۔"دوسری جانب سے کسی کی فکر مندی میں ڈوبی نسوانی آواز سنائی دی تھی۔

"آپ کی دعاؤں کا طالب ہوں...میرے لیے خاص دعا کیجیے گا عزیزم۔"وہ سڑک کا موڑ مڑا۔آگے قطار در قطار دکانیں تھیں۔کپڑے، جوتے، کھانے اور دیگر انواع و اقسام کی اشیاء کی دکانیں۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"نہیں ابھی نہیں گیا۔پرسوں جاؤں گا انشاءاللہ۔" وہ ایک ڈھابے نما ریستوران میں داخل ہو رہا تھا۔

"رکھتا ہوں۔" دوسری جانب سے کچھ کہا جا رہا تھا جب وہ دھیمے لہجے میں خدا حافظ کہتا رابطہ منقطع کر گیا۔اس کا انداز ایک دم سے بدل گیا تھا۔آنکھوں میں سرخی اتر آئی تھی۔فون کان سے ہٹاتے وہ ایک جانب لگے میز کی طرف بڑھ گیا۔

"صاحب کیا لو گے۔؟" ایک بیرا فوراً اس کے پاس آیا۔

"بہاولپور کا سب سے مشہور اور مزیدار کھانا۔" وہ اپنا آرڈر لکھوا رہا تھا۔فضا میں کچھ تھا جو اس کی موجودگی سے بدل گیا تھا۔ریستوران کی روشنیاں اس کی آواز کے ساتھ مدھم ہوتی گئیں۔

☆...☆...☆

دوپہر میں سورج نے اپنی روشنی سے پورے گلِ ریگاں کو چمکا کر اب بادلوں کی چادر اوڑھ لی تھی۔آسمان پر سیاہ گھٹائیں اکھٹی ہوتی جا رہی تھیں۔عصر کی اذان کے ساتھ ہی یوسف صاحب کے گھر کے صحن میں بنی کیاری میں لگے دوپہری کے پھول اپنی پتیاں سمیٹنے لگے تھے۔صحن کے نصف درمیان میں دیکھو تو لکڑی کی چھوٹی میز کے گرد چار موڑھے رکھے

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

ہوئے تھے۔ایک پر میرم ریحام پیراوپر کیے بیٹھی تھی۔دوسرے پر فیضان ہاتھ میں میرم کا موبائل تھامے بیٹھا تھا۔شازیہ بیگم چائے سے لطف اندوز ہو رہی تھیں۔

میرم کی نظریں سامنے خالی رکھے موڑھے پر تھیں۔دائیں ہاتھ کی انگلیاں بائیں ہاتھ کی انگلی میں موجود سفید نگ والی انگوٹھی کو گھما رہی تھیں۔سوچوں کا محور وہ گھریانہ تھا جو کبھی آباد ہوا کرتا تھا۔ایک دور تھا،جب خاندان مکمل تھا۔اور اب ایسا وقت آگیا تھا کہ گھر کا سربراہ انہیں تہی وداماں چھوڑ گیا تھا۔

"چائے کی چینی ختم ہو گئی تھی؟"شازیہ بیگم کی آواز پر وہ چونک کر ہوش میں آئی۔وہ جامنی رنگ کا سوٹ جس کے اوپر سبز رنگ کے پھول بنے تھے،پہنے ہوئے تھی۔لہردار بال پشت پر کھلے ہوئے تھے۔

"نہیں تو ابھی پرسوں تو سودا لائی تھیں آپ۔"میرم نے میز کی جانب جھکتے چائے کا کپ اٹھایا۔

"اسی لیے تم نے کہا ساری چینی ایک ہی بار چائے میں بہادوں۔"میرم کا ہاتھ رک گیا۔ٹھنڈی ہوا سرسراتی ہوئی اسے چھو کر گزری۔بالوں کی لٹیں رخساروں کو چھونے لگیں۔ان کا مطلب تھا کہ چائے میں میٹھا زیادہ ہے۔یعنی چائے اچھی نہیں بنی تھی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

''ایک چائے تم کبھی ٹھیک سے نہیں بنا سکتی۔''ان کی آواز دھیمی، ملامت کرتی ہوئی تھی۔

''اتنے سالوں سے بنا رہی ہوں... آج تک میرے ہاتھ کی چائے کے سوا سب ٹھیک بنا ہے۔ کتنی عجیب بات ہے ناں؟ جو چیز مجھے سب سے زیادہ پسند ہے ہمیشہ اسی میں کوئی نقص نکل آتا ہے۔''اس نے چائے کا گھونٹ لیا۔ افف! اتنا میٹھا... اماں کو شوگر کروا کر چھوڑے گی یہ لڑکی!

''جو چیز ہمیں پسند ہوتی ہے... وہ ہماری دسترس میں کہاں ہوتی ہے؟''ان کی دھیمی آواز بمشکل میرم تک پہنچی تھی۔ اس نے گہری سانس بھرتے اپنا کپ میز پر رکھ دیا۔ پھر موڑھے کی پشت پر سر ٹکائے آسمان کو دیکھنے لگی۔ آسمان پر بادل مزید قریب ہو گئے تھے۔ نیلاہٹ سیاہ پن میں بدل گئی تھی۔

''نکل آؤ باہر اس سے۔ میرم اسے موبائل نہ دیا کرو، پھر یہ پڑھتا نہیں ہے۔''انہوں نے فیضان کے ہاتھ سے موبائل جھپٹنا چاہا لیکن وہ ایکدم ہاتھ دور کر گیا۔

''بس امی پانچ منٹ! یہ راؤنڈ مکمل کر لوں۔''وہ گیم میں محو بولا تھا۔ میرم نے نفی میں سر ہلاتے شازیہ بیگم کو دیکھا۔ جو آنکھوں میں خفگی بھرے فیضان کو دیکھ رہی تھیں۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"پانچ منٹ سے پانچ سیکنڈ بھی اوپر ہوئے تو دیکھنا۔" وہ بولتے ہوئے اچانک رکی تھیں۔ میرم نے ان کی نگاہوں کے تعاقب میں دیکھا۔ کوئی دروازہ بجا رہا تھا۔ ہلکی مگر لگاتار دستک۔

"میں..." میرم اٹھنے لگی تھی جب شازیہ بیگم اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"تم بیٹھو میں دیکھتی ہوں۔" کہتی ہوئیں وہ دوپٹہ سر پر جماتیں دروازے کی جانب بڑھیں۔

"السلام علیکم خالہ!" سامنے دس بارہ سال کا لڑکا کھڑا تھا۔ اس کے پیچھے دو ہم عمر لڑکے اور تھے۔ جینز شرٹ میں ملبوس اس کے چہرے پر خوشی تھی۔ اس نے ہاتھ میں تھاما ڈبہ آگے بڑھایا۔

"یہ کیا ہے؟" شازیہ بیگم نے ہلکی مسکراہٹ سے ڈبہ تھاما تھا۔

"مٹھائی ہے... نوابوں کے گھر سے آئی ہے... نواب فیروز کے ہاں بیٹا ہوا ہے۔" الفاظ تھے یا کیا؟ شازیہ بیگم کی مسکراہٹ اگلے ہی لمحے سمٹ گئی۔ آنکھوں سے جیسے کسی نے چمک نوچ ڈالی۔ بالکل اسی طرح صحن کے بیچوں بیچ کھڑی میرم ریحام بھی ساکت ہوئی تھی۔

"اچھا... بڑی بی اور نواب صاحب کو میرا سلام کہنا۔" انہوں نے اپنی حالت پر قابو پاتے ہوئے بچے کو کہا۔ وہ سر ہلاتے واپس مڑ گیا تھا۔ باقی دونوں بچے بھی ہاتھوں میں مٹھائی کے ٹوکرے تھامے اس کی تقلید میں بڑھتے گئے۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

وہ دروازہ بند کر کے واپس آئیں۔رنگ برنگا ڈبہ جس پر سنہری ربن لپٹی ہوئی تھیں، میز پر رکھ دیا۔

"یہ کیا ہے؟" فیضان نے چھوٹتے ہی پوچھا۔

"نواب فیروز نے بیٹے کی ولادت پر مٹھائی بھجوائی ہے۔" فیضان کے ڈبے کی طرف بڑھتے ہاتھ تھم گئے۔میرم کی نظریں بھی میز پر تھیں۔

"واہ ماشاءاللہ! بیٹا ہوا ہے تو اس کا مطلب پورا گلِ ریگاں مٹھائی کھائے گا۔" اس کی آواز میں طنز اور تلخ پن تھا۔

"یہ مٹھائی نہیں یاد دہانی ہے کہ وہ کہاں جا پہنچے اور ہم کہاں ٹھہرے ہوئے ہیں۔" میرم کی سنجیدگی سے بھری آواز پر شازیہ بیگم نے سر جھٹکا۔پھر ہاتھ بڑھائے ربن کھولی۔

"مت کھولیں امی... ہم ان کی خوشی میں بھیجی گئی مٹھائی نہیں کھائیں گے جو ہماری خوشیاں نگل گئے۔" فیضان کی آواز میں غصہ تھا۔وہ ایک دم اٹھا۔ڈبہ واپس بند کیا اور اسے اٹھائے سیڑھیوں کی جانب بڑھ گیا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"ارے کہاں لے جا رہے ہو؟" شازیہ بیگم نے اسے روکنا چاہا لیکن وہ سنی ان سنی کرتا چھت پر پہنچ چکا تھا۔ اس نے ڈبہ کھول کر چھت کی منڈیر پر رکھ دیا۔ دور آسمان پر پرندے اڑ رہے تھے۔ ایک کوا اوپر بنے کمرے کی نکر پر بھی بیٹھا تھا۔ فیضان کی نظریں ان پر گئیں۔

"آ۔آ۔آ۔" اس نے زور سے انہیں آواز لگائی۔ پرندوں کی نظر چھت پر پڑ چکی تھی، وہ نیچے اترنے لگے تھے۔ وہ گہری سانس بھرتا نیچے اتر آیا۔

تبھی بادل زور سے گرجے۔ آسمان سے بارش کے قطروں کو بہہ نکلنے کا موقع مل گیا۔ یکایک ٹھنڈی بوندیں مٹی پر گریں تو صحن میں مٹی کی مہک پھیل گئی۔

"فیضی... جلدی سے موڑھے اٹھا کر اسٹور روم میں رکھو۔ میرم اندر چلو... بھیگ جاؤ گی۔" شازیہ بیگم تیزی سے برتن سمیٹتیں برآمدے کی جانب بڑھ گئیں۔

لیکن میرم ریحام وہیں کھڑی رہی۔ بے حس و حرکت... ساکت و جامد...

آنکھیں سرخ تھیں اور عارض گیلے ہو رہے تھے۔ بارش کی بوندیں تھیں یا وہ نمکین پانی جس کے ایک قطرے کی قیمت بھی کوئی نہیں چکا سکتا؟

اس کی نگاہیں دور چھت کی طرف ٹکی تھیں جہاں وہ سرخ رنگ کے امتزاج والا ڈبہ اب بارش کی بوندوں میں بھیگ رہا تھا۔ چینی میں لپٹی وہ بے حسی اب گھل رہی تھی۔

فیضان نے جلدی سے موڑھے اور میز اٹھا کر اندر رکھ دی۔ برآمدے میں رکھے صوفے پر بیٹھے اس کی سنجیدہ نظریں جالی کے اس پار صحن میں کھڑی میرم ریحام پر جم گئی تھیں۔

صحن میں تڑاتڑ بارش برس رہی تھی۔ پانی کے قطرے اس کی پیشانی سے ہوتے ہوئے چہرے پر پھسل رہے تھے۔ پہلوؤں میں لٹکے ہاتھوں سے بھی پانی ٹپک رہا تھا۔ بال گردن پر چپک چکے تھے۔ جامنی رنگ کا سوٹ بھیگ کر سیاہ تاثر دینے لگا تھا۔

لیکن...

اسے فرق نہیں پڑ رہا تھا۔ اسے بھول گیا تھا کہ بارش اس کے لیے اچھی نہیں تھی۔

وہ فراموش کر چکی تھی کہ اگلا پورا ہفتہ اسے نزلہ اور زکام رہنے والا ہے۔

وہ کیوں بھولے بیٹھی تھی کہ برسات کی بارشیں اس کے لیے کچھ نہیں لاتی تھیں... سوائے آزمائش کے۔

☆...☆...☆

وہ بریک ٹائم اسٹاف روم میں بیٹھی تھی۔ کمرے کی کھڑکیاں کھلی ہوئی تھیں سفید رنگ کے پردے ہوا کے باعث ہولے سے لہرا رہے تھے۔ وہاں اس وقت اکاد کا ٹیچرز کے علاوہ کوئی نہ

تھا۔وہ تمام اپنی اپنی باتوں میں مشغول نظر آتی تھیں۔میرم سر جھکائے بچوں کی کاپیاں چیک کرنے میں مگن تھی جب اچانک میز پر رکھا اس کا فون تیز آواز سے بجا۔

"السلام علیکم۔"منشی صاحب کی کال تھی۔اس نے کال اٹھا کر فون کان سے لگایا۔سفید مخروطی انگلیوں کی گرفت میں سرخ رنگ کا بال پوائنٹ پکڑ رکھا تھا۔

"جی میں ٹھیک ہوں۔الحمدللہ۔"دوسری طرف سے کچھ اہم کہا گیا تھا۔

"کیا؟...کرایے دار؟سچ میں؟...اچھا میں امی کو بتا دیتی ہوں۔"اس کا چہرہ کھل اٹھا تھا۔

"جی ٹھیک ہے۔آپ آج بھیج دیجیے گا کرایے دار کو۔"منشی صاحب باقی معاملات شازیہ بیگم سے طے کرنے کا بولتے ہوئے فون بند کر گئے۔

اس نے موبائل کان سے ہٹاتے فوراً شازیہ بیگم کو کال ملائی تھی۔گھنٹی جاتی رہی۔پہلی...دوسری...تیسری...اور لگاتار۔

"امی فون کیوں نہیں اٹھا رہیں؟"چہرے پر پریشانی جھلکی تھی۔اس نے دوبارہ کال ملائی مگر بے سود۔

"اللہ خیر کرے۔"اسے گھبراہٹ ہونے لگی تھی۔پہلا خیال جو اس کے ذہن میں ابھرا وہ ماں کی بیمار طبیعت تھی۔فیضان اسکول میں تھا اور ماں گھر پر اکیلی تھیں۔وہ تنہا تھیں۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

''امی۔؟''اس کے دل پر یکدم کسی نے گھونسا مارا تھا۔چہرے سے ہر تاثر فنا ہوتا گیا۔

''میری ماں۔''وہ تیزی سے بیگ اور موبائل اٹھائے باہر بھاگی۔عجلت میں وہ کرسی کی پشت سے چادر اٹھانا بھی بھول گئی تھی۔

''میں نے آدھے بچوں کا کام چیک کر لیا ہے باقی کا کل کروں گی۔اسٹاف روم سے کاپیاں اٹھا لو۔''کاریڈور سے گزرتے اپنی کلاس کے بچوں کو دیکھ کر وہ بولی تھی۔پھر اسی تیزی سے پرنسپل کے آفس کی جانب بڑھ گئی۔

پرنسپل سے آدھے دن کی چھٹی منظور کروانے کے بعد وہ اگلے آدھے گھنٹے میں اپنے گھر کے باہر کھڑی تھی۔آسمان پر سیاہ گھٹائیں جمع ہو رہی تھیں۔اندیشہ تھا کہ آج پھر بارش برسے گی۔

اس نے دروازہ کھٹکھٹایا مگر اندر سے کوئی آواز نہ آئی۔اس کے ماتھے پر پسینہ پھوٹا۔اس نے دروازہ کھولنے کے لیے ہاتھ بڑھایا تو وہ کھلتا چلا گیا۔وہ حیران ہوتی اندر داخل ہوئی۔وہاں سب کچھ ویران تھا۔

کمروں کے دروازے مقفل تھے۔ماں گھر پر نہیں تھیں۔میرم ریحام کی سانسیں تنگ پڑنے لگیں۔وہ کہاں گئی تھیں؟

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

''امی جان۔''اس کی آواز گھر کی چار دیواری میں اجنبی سی محسوس ہوئی تھی۔وہ شازیہ بیگم کے کمرے کا دروازہ کھولتی اندر داخل ہوئی۔سامنے ہی سائیڈ ٹیبل پر ان کا موبائل رکھا تھا۔

خاموش،بند اور بے آواز۔

''امی۔''مدھم آواز۔خاموش سسکی۔ایک لمحے کو اسے لگا جیسے وہ پھر اسی منظر میں جا کھڑی ہوئی ہے،جہاں چند ماہ پہلے وہ باپ کی میت کے سرہانے کھڑی تھی۔تنہا اور بالکل اکیلی۔اس کا تنفس ٹوٹنے لگا۔

کیا وہ لمحہ دوبارہ پلٹ آیا ہے؟

نہیں...نہیں...ایسا نہیں ہو سکتا۔

اس کا چہرہ پسینے سے تر ہو گیا۔سانس بند ہونے کے در پر تھا۔

اسے لگا وہ اپنی ماں کھو چکی ہے۔شاید ہاں،شاید نہیں۔واہمے تھے کہ مثبت خیال آنے نہیں دے رہے تھے۔اور منفی خیالات کی روح ایسی کہ بھٹک بھٹک کر اس کی ذات کو زندہ در گور کر رہی تھی۔

☆...☆...☆

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

وہ عصر سے کچھ دیر پہلے واپس لوٹی تھیں۔دروازہ کھولنے کی کوشش کی تو اندازہ ہوا کہ وہ اندر سے بند تھا۔وہ لب کچل کر رہ گئیں۔یقیناً میرم ریحام واپس آچکی تھی۔انہوں نے دروازہ کھٹکھٹایا۔چند منٹ وہ وہیں کھڑی انتظار کرتی رہیں۔بالآخر دروازہ آہستگی سے کھلا تھا۔سامنے پریشان صورت لیے میرم ریحام کھڑی تھی۔چہرے سے پانی کی بوندیں ٹپک رہی تھیں۔اور بال اونچی پونی میں بندھے تھے اور دوپٹہ ندارد تھا۔اس کا عجیب سا حلیہ انہیں ٹھٹھکا گیا تھا۔

"میرم بچے، کیا ہوا؟" وہ اندر داخل ہوئیں تو میرم تیز قدموں سے برآمدے کی جانب بڑھ گئی۔

"انکل کی کال آئی تھی۔انہوں نے کرایے دار ڈھونڈ لیا ہے۔وہ آج شام تک اسے بھیج دیں گے۔" وہ یک دم پلٹ کر سپاٹ انداز میں کہتی ہوئی اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔

"یہ تو ٹھیک ہے مگر تمہیں کیا ہوا ہے؟" وہ چادر اتار کر ایک طرف رکھتی ہوئی پوچھ رہی تھیں۔

"مجھے کچھ نہیں ہوا۔" لمحے کا توقف کیا۔

"مجھے کچھ ہو ہی نہیں سکتا۔" شازیہ بیگم نے محسوس کیا کہ اس کی آواز آخر میں رندھ گئی تھی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"میرم بچے۔" وہ اسے پکارتے ہوئے آگے بڑھی تھیں۔

"میں بزی ہوں۔" وہ بے تاثر انداز میں کہتی ہوئی کھٹاک سے کمرے کا دروازہ بند کر گئی۔ دل پر بوجھ سا آن گرا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ اس بدتمیزی کے بعد کا گِلٹ اسے اندر ہی اندر کھا جائے گا۔ مگر وہ جس کیفیت سے گزر چکی تھی، اس وقت اس کے لیے تنہا رہنا ہی بہتر تھا۔

برآمدے میں کھڑی شازیہ بیگم اس اچانک بدلے ہوئے رویے پر ششدر رہ گئیں۔ میرم کو آخر ہوا کیا تھا؟ وہ ایسا ردِ عمل کیوں دے رہی تھی؟ وہ سمجھنے سے قاصر تھیں۔

اور سچ تو یہ تھا کہ اسے کوئی نہیں سمجھ سکتا تھا، حتیٰ کہ اس کی ماں بھی نہیں۔

☆...☆...☆

سہ پہر ڈھل رہی تھی۔ افق پر سورج کی کرنیں بادلوں کی اوٹ میں چھپ چکی تھیں۔ دور مساجد سے مؤذن کی آواز عصر کی اذان بن کر فضا میں پھیل رہی تھی۔ اس وقت وہ کمرے سے نکل کر گھر کے صحن میں ٹہل رہی تھی۔ کبھی دائیں کبھی بائیں... اس کے انداز میں اضطراب صاف جھلک رہا تھا۔

شازیہ بیگم نے اسے دیکھ کر دانستہ نظر انداز کیا۔ اور پھر دیسی مائیں ایسی ہی ہوتی ہیں۔ وہ منانے کی بجائے خود روٹھ کر بیٹھ جاتی ہیں۔ چاہے قصور اولاد کا ہو یا ان کا اپنا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

وہ پستہ اور سفید رنگ کے امتزاج میں ملبوس، سفید ریشمی آنچل سر پر اوڑھے ہوئے تھی۔ چہرے پر ازلی نرمی لیے وہ شاید کرایے دار کے انتظار میں تھی۔ کیاریوں میں لگی دوپہری کی بوٹی نے اسے یوں بے تاب ٹہلتے دیکھ کر آسمان کو دیکھا۔ بادل آپس میں جڑے ہوئے تھے۔ ہوا میں خنکی تھی۔ انہوں نے سر جھکا لیا۔ موسم آبر آلود تھا۔ سورج نکلنے کو تیار نہ تھا اور دوپہری کے پھول کھلنے سے ڈر کر دبک کر بیٹھے تھے۔

اگر میرم ریحام کی جگہ کھڑے ہو کر دیکھو تو اس کی سیدھ میں لگا گھر کا مرکزی دروازے کا ایک پٹ ہلکا کھلا تھا۔ تبھی باہر کسی گاڑی کے رکنے کی آواز سنائی دی۔ میرم کے قدم ٹھٹھک گئے۔ اس نے فوراً دروازے کی دہلیز پر جا کر باہر جھانکا۔

سامنے اس بڑی سی گلی میں سفید رنگ کی گاڑی کھڑی تھی۔ ڈرائیور خاموشی سے دروازہ کھول کر باہر نکلا۔ لمحے بھر بعد گاڑی کا پچھلا دروازہ کھلا اور کسی نے سیاہ چمچماتے بوٹس میں مقید پیر آہستگی سے زمین پر رکھا۔ پھر ایک ہاتھ نظر آیا جس کی گرفت دروازے پر تھی۔ ہاتھ کی رگیں اُبھری ہوئیں، انگلیاں لمبی، ناخن تراشیدہ۔

اسی لمحے بادلوں نے گرجنے کا اعلان کیا۔ زوردار گڑگڑاہٹ میں میرم اسے دیکھے گئی۔ وہ سر جھکائے گاڑی سے باہر نکلا۔ سیاہ رنگ کے نفیس سوٹ میں ملبوس، وہ آنکھوں پر سیاہ دھوپ

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

سے بچوٗ کے لیے چشمہ لگائے ہوئے تھا۔اگرچہ دھوپ نہیں تھی مگر وہ چشمہ اس کی خوبصورتی میں حسین اِضافہ تھا۔دائیں ہاتھ کی کلائی میں رِسٹ واچ پہنے وہ اونچے قد و قامت والا لڑکا بلا جھجک خوبصورتی کی اپنی مثال آپ تھا۔

اس نے میرم کی جانب نہیں دیکھا مگر وہ اسے ہی دیکھے جا رہی تھی۔وہ پلٹ کر ڈرائیور کو ہدایت دینے لگا جو ڈگی سے بیگز نکال رہا تھا۔پھر وہ پلٹا اور نظر دوڑائی۔پورے گھر کی در و دیوار سے ہوتی اس کی نظریں دروازے کی دہلیز پر آ کر ٹھہر گئیں۔اس نے گردن تھوڑی سی ٹِلٹ کی۔وہاں میرم ریحام کھڑی تھی۔اس کی نظریں بھی اس پر جمی ہوئی تھیں۔ان کے درمیان دس قدم کا فاصلہ تھا۔سیاہ بوٹ وہ فاصلہ سمیٹتے میرم ریحام کی جانب بڑھنے لگے۔

ایک...دو...

تین...چار...

پانچ...اور چھٹے قدم پر وہ ٹھہر گیا۔

اب ان کے مابین محض چار قدم کا فاصلہ تھا۔

اس نے دھیرے سے سیاہ چشمہ ہٹایا۔میرم نے دیکھا اس کی آنکھیں سرمئی تھیں۔

آسمان پر منڈلاتے بادلوں جیسی سرمئی...گہری اور بوجھل!

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

اس کی ابرو تیر کمان جیسی تھیں اور پیشانی کشادہ تھی جس پر بھورے بال بے ترتیب گرے تھے۔

"آپ کون؟" اس کی آواز میں حیرت اور بے یقینی شامل تھی۔

"مجھے محراب قریشی کہتے ہیں۔" وہ دایاں ہاتھ سینے پر رکھتے تعظیم میں ہلکا سا جھکا تھا۔ بادل بھی اس کی ادا پر جھکتے چلے گئے۔ بارش کی بوندوں نے دھرتی کو چھوا گویا وہ محراب قریشی کی آمد پر نثار ہوئی تھیں۔

وہ آچکا تھا۔

وہی جس کا انتظار تھا۔

لیکن... وہ کیوں آیا تھا؟

کیا تم جانتے ہو؟ نہیں؟

تو سنو...

وہ بدلہ لینے آیا تھا۔

☆...☆...☆

(جاری ہے)

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

مزید بہترین ناول/افسانے/آرٹیکل/مختصر کہانیاں اور معیاری شاعری پڑھنے کے لئے

نیچے دیئے گئے لنک پر کلک کریں۔

شکریہ!

Clubb of Quality Content

www.novelsclubb.com

ہماری ایپ ڈاؤنلوڈ کریں اور رسائی حاصل کریں بے شمار مزے دار ناولوں تک

Download our app

اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں، مگر آپ کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔۔تو ہم سے رابطہ کریں۔

ہماری ٹیم آپ کو قدم قدم پر رہنمائی فراہم کرے گی اور آپ کی لکھی ہوئی تحریر دنیا تک لائے گی۔

آپ اپنا لکھا ہوا ناول، افسانہ، شاعری، ناولٹ، کالم یا آرٹیکل پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو اپنا مسودہ ہمیں ورڈ فائل یا ٹیکسٹ فارم میں میل کریں

novelsclubb@gmail.com

آپ ہمارے فیس بک، انسٹا پیج اور واٹس ایپ کے ذریعے بھی ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں۔

FB PAGE:

NOVELSCLUBB

INSTA:

NOVELSCLUBB

WHATSAPP:

03257121842